ہفت روزہ

الفتح

کراچی

۳۱ دسمبر ۷۰ء - ۷ جنوری ۱۹۷۱ء

قیمت: مغربی پاکستان = ۵۰ پیسے
مشرقی پاکستان = ۶۰ پیسے

رئیس امروہوی

جاگ رہا ہے

ملّت کا ہر اک پیر و جواں جاگ رہا ہے

اُٹھ - قافلۂ شوق کا آغازِ سفر دیکھ
اور قافلۂ شوق کو تا حدِّ نظر دیکھ
غافل نہ ہو اے دیدۂ بیدار ادھر دیکھ
ہاں دیکھ کہ ہر شعلہ بجاں جاگ رہا ہے
ملّت کا ہر اک پیر و جواں جاگ رہا ہے

مزدور ہے اس مملکتِ تازہ کا معمار
معمارِ وطن! قوم کی تعمیر پہ تیّار
بیدار ئ قسمت ہے تری قسمت بیدار
تو جاگ رہا ہے تو جہاں جاگ رہا ہے
ملّت کا ہر اک پیر و جواں جاگ رہا ہے

طے کر کے بڑے شوق سے ہر جادۂ مشکل
پہونچے ہیں محبت کے مسافر سرِ منزل
منزل پہ پہونچ کر بھی نہیں ہے کوئی غافل
سب قافلۂ ہم سفراں جاگ رہا ہے
ملّت کا ہر اک پیر و جواں جاگ رہا ہے

ہٹ - قافلۂ شوق گزر رہا ہے ذرا ہٹ
سُن - گوشِ حقیقت سے نئے عہد کی آہٹ
ڈھاکہ ہو کہ لاہور کراچی ہو کہ سلہٹ
ہر شخص یہاں اور وہاں جاگ رہا ہے
ملّت کا ہر اک پیر و جواں جاگ رہا ہے

خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ

الفتح

کراچی

جلد: ۱ شمارہ: ۳۳

۳۱ دسمبر ۷۰ء - ۷ جنوری ۱۹۷۱ء

اداریہ

آزادیٔ صحافت

مقبوضہ اخبارات شور مچا رہے ہیں کہ مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے آزادیٔ صحافت کا گلا دبانے کے لئے "دایئں بازو کے اخبارات" کو نکس اپ کرنے کا اعلان کیا ہے۔ یہ جمہوری قدروں کے منافی ہے۔ جمہوریت میں ہر شخص کو تحریر و تقریر کی آزادی ہے۔ اُسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ آزادیٔ رائے کا کھل کر اظہار کرے۔"

سامراجی، سرمایہ دارانہ، جاگیردارانہ اور نوکرشاہی نظام کی یہ خصوصیت رہی ہے کہ اُس کے محافظوں نے اپنے ہر فعل کو جائز قرار دینے کے لئے اُن اصولوں کی آڑ لی ہے جن پر وہ خود یقین نہیں رکھتے۔ انھوں نے ہر لمحے جمہوریت کے اعلیٰ اصولوں کا پرچار کیا اور عمل میں اپنے ہاتھوں اُن اصولوں کے پرخچے اڑا دیئے۔

اب مقبوضہ اخبارات کو ہی لیجیے، نیشنل پریس ٹرسٹ میں مشرق، امروز اور پاکستان ٹائمز کے انتخابات سے پہلے کے صفحات کو ملاحظہ کیجئے۔ یہ اخبارات جانبداری کی بدترین تصویر پیش کرتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ملک میں صرف ایک ہی سیاسی جماعت کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ اور باقی سیاسی جماعتوں بالخصوص پاکستان پیپلز پارٹی اور عوامی لیگ کے سربراہوں، رہنماؤں اور کارکنوں کے خلاف صحافت کے مسلمہ اصولوں کو نظر انداز



	فی پرچہ	سالانہ	ششماہی
مغربی پاکستان	۵۰ پیسے	۲۵ روپے	۱۳ روپے
مشرقی پاکستان	۶۰ پیسے	۳۰ روپے	۱۶ روپے

خط و کتابت کے لئے

دفتر ہفت روزہ "الفتح"، ۸۷ ڈی۔ نرسری کمرشل ایریا۔ پی، ای، سی، ایچ، ایس۔ کراچی ۲۹

ایڈیٹر پبلشر ارشاد راؤ ○ مطبع حقی آفسٹ پریس —— کراچی

مقام اشاعت : ۸۷ ڈی نرسری کمرشل ایریا، پی ای سی ایچ ایس۔ کراچی ۲۹

کرتے ہوئے کیچڑ اچھالنا، خبروں کو توڑ موڑ کر پیش کرنا، انھیں کافر بنا کر عوام میں ذلیل کرنا اور اُن سے غلط، من گھڑت، لغو اور بے بنیاد باتیں منسوب کرنا اُن اخبارات کا جزوِ ایمان ہے

ایک خبر رساں ایجنسی پی پی آئی نے تو شرافت کی تمام حدود کو پار کر کے صحافتی دنیا کو ایسی ڈگر پر ڈال دیا کہ اس کی آزادیٔ صحافت کو لگام دینے والا کوئی نہیں تھا۔ اس ایجنسی کا کام ہر روز مسٹر بھٹو اور پیپلز پارٹی کے خلاف ہرزہ سرائی اور من گھڑت خبروں کا اجراء تھا۔ جنگ اخبار کا حلیہ بگڑا ہوا تھا۔ اس کی ہر خبر میں پیپلز پارٹی کے خلاف نفرت اور شرانگیزی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اُس نے کُفر کے فتوے شائع کرنے میں بین الاقوامی ریکارڈ توڑ دیئے۔ مہذب صحافت اور آزادیٔ رائے کے تمام آداب کو بالائے طاق رکھ دیا۔ جسارت، زندگی، ندائے ملت اور کوہستان کا نام لینا ہی کافی ہے کہ اُن کے وجود کا مقصد زرد صحافت کو پروان چڑھانا تھا۔

آزادیٔ رائے اور آزادیٔ تحریر کی آڑ میں اِن اخبارات نے ان صحافیوں پر کیا کیا مظالم روا نہیں رکھے جو ان اخبارات میں صحیح معنوں میں آزادیٔ صحافت کے علمبردار تھے۔ اخبارات کے مالکان نے نوابزادہ شیر علی خاں سے مل کر عامل صحافیوں کے ساتھ نازیوں سے بدتر سلوک کا مظاہرہ کیا۔

کیا مالکان اخبارات آج بھی اس پوزیشن میں ہیں کہ وہ اس بات کا جواب دیں کہ وہ کونسی قسم کی آزادیٔ صحافت تھی جس کی بنیاد پر صحافیوں کو قانونی مراعات سے محروم کیا گیا۔ عبوری امداد کی سہولت قانون نے مہیا کی تھی۔ پاکستان کے صحافیوں کی واحد نمائندہ تنظیم پی۔ایف۔یو۔جے نے پُرامن ماحول میں مالکانِ اخبارات سے بات چیت اور مصالحت کی ہر ممکن کوشش کی جسے حقارت کے ساتھ مسترد کر دیا گیا۔ بالآخر صحافیوں کی اٹھانوے فیصد (جس میں مودودیئے صحافی بھی شامل تھے) تعداد نے ملک گیر ہڑتال کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ہڑتال ہوئی اور دس دن تک جاری رہی۔ اس ہڑتال کے دوران صحافیوں کی مکمل حمایت کا اعلان بھی پاکستان پیپلز پارٹی نے کیا تھا۔ اور اس پارٹی کی ممتاز خاتون رہنما ڈاکٹر شمیم زین الدین خاں کو عین اُس وقت گرفتار کیا گیا جب پیپلز پارٹی کراچی میں صحافیوں کی حمایت میں جلوس نکالنے والی تھی۔

مودودیوں نے نوابزادہ شیر علی خان کی ہدایت پر صحافیوں کی ہڑتال کو توڑا۔ مالکان اخبارات نے تمام مودودیوں کو دوبارہ ملازمتوں پر بحال کر دیا اور اُن صحافیوں کو برطرف کر دیا جو مالکانِ اخبارات اور نوابزادہ شیر علی خاں کی فہرست میں مودودی جماعت کے ہمنوا نہیں تھے۔ آزادیٔ صحافت کا یہ رُخ پاکستان ہی نے نہیں بلکہ دنیا بھر کی تمام صحافتی برادری نے دیکھا اور صحافیوں کی افریشیائی تنظیم نے اس "قتلِ عام" پر زبردست احتجاج کیا۔

آج آزادیٔ صحافت کا واویلا مچانے والوں کو شرم آنی چاہیئے۔ کہ انھوں نے پاکستان پیپلز پارٹی کو عامل صحافیوں کی حمایت کرنے پر کتنی بڑی سزا دی اور مسٹر بھٹو کی والدہ محترمہ پر بھی گندگی اچھالنے سے گریز نہیں کیا۔ اس وقت آزادیٔ صحافت کے علمبردار کہاں سوئے ہوئے تھے؟ اُن کی غیرت کو کیا ہو گیا تھا؟ وہ کیوں نہیں چیخے کہ آزادیٔ صحافت کا خیال رکھو؟

ان بے ضمیر، ننگِ قوم و وطن اور بکاؤ اخبارات کو بھٹو نے فکس اپ کرنے کا اعلان اُس وقت کیا تھا جب عام انتخابات کے انعقاد کا صرف وعدہ کیا گیا تھا۔ مسٹر بھٹو قابلِ مبارکباد ہیں کہ وہ عوام کی اکثریت کی حمایت حاصل کرنے کے بعد اپنے وعدے پر قائم ہیں۔ آزادیٔ صحافت کا تقاضا ہے کہ انھیں فکس اپ کیا جائے۔ مالکانِ اخبارات کے اثاثوں اور نیشنل پریس ٹرسٹ کے ملازمین کی املاک کی فہرست عوام کے سامنے پیش کی جائے تاکہ اُن کی آزادیٔ صحافت کی کمائی کا پول کھل سکے۔

ظاہری خبریں اور اندرونی کہانیاں

نوابزادہ شیر علی خاں کیوں مستعفی ہو گئے



وقائع نگار

قیاس آرائیاں کی جارہی ہیں کہ۔

ا۔ نواب زادہ شیر علی خاں نے استعفےٰ اس لئے دیا کہ عام انتخابات میں نام نہاد اسلام پسندوں اور بالخصوص جماعتِ اسلامی کو زبردست شکستِ فاش ہوئی۔ وزارتِ اطلاعات نے انتخابات کے بارے میں جو جائزہ چارٹ تیار کیا تھا، وہ غلط، بے بنیاد اور "نیک خواہشات" کا آئینہ دار ثابت ہوا۔ نوابزادہ صاحب کو نئے اور مبنی بر حقائق چارٹ پر شدید صدمہ پہنچا۔ ان کے اعصاب منتشر ہو گئے۔ ضعیف العمری کی بدولت بوکھلاہٹ پر قابو نہ پا سکے۔ وہ وزارتِ اطلاعات کے پنجرے میں پہلے والے چارٹ کے نام و نشان تک مٹ جانے پر بہت پریشان تھے۔ یہ تمام کیفیت استعفیٰ کی صورت میں رونما ہوئی۔

۲۔ مولانا احتشام الحق تھانوی کے دولت کدہ پر "اسلام پسندوں" نے قومی اسمبلی میں اپنی عبرتناک شکست کے نتیجے میں صوبائی اسمبلی کے انتخابات میں پالا مارنے کے لئے جو اجلاس طلب کیا تھا، اس کے پسِ منظر میں نواب زادہ صاحب تھے۔ اجلاس کی کارروائی کے دوران متعدد بار ان کا نام لیا گیا۔ ایک حضرت نے اسے ٹیپ کر لیا اور پھر اسے وہاں تک پہنچا دیا جہاں شیر علی خاں کو بہر صورت جوابدہ ہونا پڑتا تھا۔ یہ پول کھلا تو شیر علی نے "باعزت" طور پر مستعفی ہونے کی بات کو ترجیح دی۔

۳۔ لاہور کی نشست سے جاوید اقبال کی شکست نے نواب زادہ صاحب کو یہ باور کرایا تھا کہ عملی سیاست میں مودودی صاحب بڑی طرح ناکام ہو گئے ہیں۔ نواب زادہ نصراللہ خاں پہلے ہی دم توڑ چکے ہیں، دولتانہ سے "دولتی" کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ لہٰذا خود عملی سیاست میں حصّہ لیا جائے تاکہ سیاست میں تمام سابق فوجی جنرلوں کی میدانِ سیاست میں ناکامی کا عوام سے بدلہ لیا جائے اور دیکھا جائے کہ پاکستان کیسے انڈونیشیا نہیں بنتا اس طرح سوہارتو بننے کے شوق نے مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا۔

۴۔ پاکستانی عوام نے نواب زادہ صاحب کے ارشادات گرامی کا جو حشر کیا ہے، اس سے انہیں یہ یقین ہو گیا ہے کہ پوری قوم جاہل ہے۔ وہ نظریۂ پاکستان پر گزارہ کرنے کی بجائے روٹی، کپڑا اور مکان مانگ رہی ہے۔ بھوکوں کی طرح دوسروں کے مقدر پر ڈاکے ڈالنے کا پروگرام بنا چکی ہے، اسلام اور مساوات دونوں چاہتی ہے۔ مساوات سوشلزم ہے اور سوشلزم کفر! جہلا و اور کفار میں رہنا بھی گناہ جو یہ نہیں جانتے کہ دولت تقدیر میں لکھی ہوتی ہے۔ بھوک، افلاس اور تنگی اعمال کا نتیجہ ہیں۔ اس قوم کو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ امریکہ چلنا چاہیئے۔ مومنوں کا ملک سوشلسٹوں کا پکا دشمن۔ سو اس ارادے نے استعفیٰ پیش کرنے کی ترغیب دلائی۔

۵۔ صدر یحییٰ کے دورۂ چین کی اطلاعات سے نواب زادہ شیر علی خاں نے قلمدان اطلاعات سے بے زاری کا اظہار شروع کر دیا تھا۔ جب انہیں یہ یقین ہو گیا کہ پاکستان کی امریکہ سے دوستی کے باوجود چین کے عوام اور حکومت پاک چین دوستی کو نہ صرف مضبوط کرنے کے لئے بے چین ہیں بلکہ ایک ارب روپے کا قرض اس طرح دیدیا ہے کہ جیسے چین کے عوام نے اتنی بڑی رقم پاکستانی عوام کے لئے ہی کمائی تھی۔ اس پر نواب زادہ صاحب قومی امور سے بھی الگ تھلگ سے رہنے لگے۔ وہ یہ سوچ کر روز بروز گھلتے جا رہے تھے کہ صدر یحییٰ نے چیئرمین ماؤزے تنگ کو نہ صرف چین بلکہ ایشیا کا عظیم رہنما تک کہہ دیا ہے۔ یہ بات ان کے ذہن میں سوالیہ نشان ہی بنی رہی حتیٰ کہ انہوں نے استعفیٰ دیدیا۔

یہ قیاس آرائیاں کہاں تک درست ہیں یا اس قسم کی باتوں نے سابق وزیر اطلاعات و نشریات و قومی امور ریٹائرڈ میجر جنرل نوابزادہ شیر علی خاں کو مرکزی کابینہ چھوڑنے پر مجبور کیا، ان کی صحت کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ جانبدار شخصیات کے کردار کی

روشنی میں بہت سی باتیں ہوتی رہتی ہیں یعض لوگ ان قیاس آرائیوں پر نہ صرف یقین کر لیتے ہیں بلکہ شہادتیں بھی پیش کرتے ہیں۔ایک روزنامہ کے انتہائی ذمہ دار اور کہنہ مشق صحافی سے جب یہ کہا گیا کہ آپ کو اس بات کا علم ہے کہ مولانا احتشام الحق تھانوی کے ہاں ہونے والے "اسلام پسندوں" کے اجلاس میں نوابزادہ شیر علی خاں کا ہاتھ تھا اور اس اجلاس کا ٹیپ اسلام آباد پہنچ چکا ہے جس کی وجہ سے انہوں نے استعفیٰ دیدیا۔

مذکورہ صحافی نے نہ صرف اس کی تصدیق کی کہ انہوں نے یہ بات پہلے بھی سُنی ہے بلکہ یہ تبصرہ بھی کردیا کہ ٹیپ "اہلسنت والوں" نے پہنچایا ہوگا۔

الفتح درج ذیل تحریر سے قیاس آرائیوں کے اس سلسلے کو اب ہمیشہ کے لئے ختم کر رہا ہے۔ اس کی صحت سے نوابزادہ شیر علی خان بھی انکار نہیں کر سکتے کہ راوی ایک مرکزی وزیر ہیں اور ہم مکمل ذمہ داری سے یہ سطور چھاپ رہے ہیں کہ

"نوابزادہ شیر علی خاں نے انتخابات کے بعد کابینہ کے اجلاس میں سیاسی اسیروں کی رہائی کی تجویز کی زبردست مخالفت کی اور زور دیا کہ جب تک ملک میں مارشل لاء نافذ ہے، قیدیوں کو بالکل آزاد نہ کیا جائے۔

نوابزادہ صاحب کو لاکھ سمجھایا گیا کہ گرفتاریاں ملک میں انتخابات کے دوران امن و امان برقرار رکھنے کے لئے عمل میں لائی گئی تھیں۔ انتخابات کے بعد حکومت کے بعد حکومت کے پاس انہیں جیلوں میں بند رکھنے کا کوئی جواز نہیں۔ عوام کی خواہشات کا احترام کیا جائے نوابزادہ صاحب اپنی بات پر اڑے رہے اور جب فیصلہ اُن کی مرضی کے خلاف ہو گیا تو انہوں نے زوردار تقریر کی اور اجلاس سے رخصت ہونے کے بعد اپنا استعفیٰ پیش کردیا۔

یہ استعفیٰ صدر مملکت نے بخوشی منظور کر لیا۔



مجیب کیا سوچ رہے ہیں

سینوں میں گولیاں پیوست کرنا حکمرانوں کا شیوہ بن گیا۔ گولیوں کے لیے سینے پیش کرنا روایت بن گئی۔ اس طرح یہ قوت خون دے کر اپنے پودے کی آبیاری کرتی رہی۔

ارشاد راؤ

"مغربی پاکستان کے شہریوں کو ان کے جائز حقوق سے محروم نہیں کیا جائے گا۔ لیکن ساتھ ہی مغربی پاکستان کو اس بات کی اجازت نہیں دوں گا کہ وہ مشرقی پاکستان سے کوئی ایک شے لے جائے۔" (انگریزی الفاظ کا ترجمہ)

یہ الفاظ عوامی لیگ کے سربراہ شیخ مجیب الرحمان کے ہیں جو انہوں نے حال ہی میں نیشنل عوامی پارٹی (بھاشانی گروپ) کی مرکزی مجلس عاملہ کے سابق رکن مسٹر عابد زبیری سے غیر رسمی بات چیت کے دوران اس وقت ادا کئے جب مسٹر عابد زبیری نے شیخ مجیب الرحمان کو سگریٹ پیش کیا جسے انہوں نے قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے پہلے اپنے پائپ کو سلگایا اور پھر مغربی پاکستان کے ایک شہری کے سگریٹ کو نہ لینے کا جواز اس جملے کی صورت میں پیش کیا۔

شیخ صاحب کے ذہن میں کیا ہے؟ وہ کیا سوچ رہے ہیں؟ ان کے مستقبل کے پروگرام کیا ہیں؟ قومی سطح پر ایک صوبے کے عوام کی بدولت اکثریتی نشستیں حاصل کرنے والی سیاسی جماعت کا بانی چار صوبوں کے بارے میں کیا رویہ ہوگا؟

ان سب کا جواب اس ایک جملے میں مضمر ہے شیخ مجیب الرحمان کو اس امر کا شدید احساس ہے کہ مغربی پاکستان کے حکمران ٹولے اور گماشتہ سرمایہ داروں نے گزشتہ ۲۳ سال کے دوران مشرقی پاکستان کی معاشی تباہی میں بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ ملک کے مشرقی حصے کے ساتھ نوآبادیات کا سا سلوک روا رکھا گیا۔ اس کے پیداواری ذرائع کو مغربی پاکستان کے ایک مخصوص طبقے کی نذر کیا جاتا رہا۔ مرکزی حکومت کے بجٹ کی زیادہ تر رقومات مغربی حصے کے اعلیٰ شہریوں کی فلاح و بہبود اور معیار زندگی کو بلند کرنے کے لئے خرچ کی گئیں اس کے برعکس مشرقی پاکستان کو نظر انداز کر دیا گیا۔ غیر ملکی سرمائے کی کھپت کے لئے کراچی کو فوقیت ملی یا پھر ملتان، لاہور اور لائلپور میں بسنے والے گماشتہ سرمایہ داروں پر نظر کرم رہی۔ اس کے نتیجے میں مشرقی پاکستان کا ابھرتا ہوا سرمایہ دار اپنے خوابوں کی تکمیل نہ کر سکا۔ اس نے مغربی پاکستان کی جانب نظر دوڑائی تو اسے احساس ہوا کہ حصہ ملنا مشکل ہے۔

مشرقی پاکستان کا ابھرتا ہوا سرمایہ دار بھوکا ننگا اور بیروزگار شہری مغربی پاکستان سے مایوس ہوا اس نے قومی سطح پر اتحاد، اخوت اور یگانگت کے نعروں کو کھوکھلا پایا۔ مرکز میں مشرقی پاکستان کے نام نہاد رہنماؤں کا وجود تاریخی عمل کی بھینٹ چڑھ چکا تھا۔ ان کی اکثریت آقایان ولی نعمت کی خوشامد میں مصروف تھی۔ جب کبھی مشرقی پاکستان سے حقوق کے لئے آواز اٹھتی، مرکز اسے دبا دیتا۔ اسطرح مرکز کی قیادت نے صوبائی قیادت کے لئے گنجائش پیدا کر دی۔ بھوکے، ننگے عوام اور ابھرتے ہوئے سرمایہ دار نے صوبے کو ہی اپنی سرگرمیوں کا محور بنا لیا اسے علیحدگی پسندی، صوبائیت، دو پاکستان، آزاد بنگال، اسلام دشمنی اور بہت کچھ نام دیئے گئے۔ وہ غیر ملکی طاقتیں جو اکھنڈ بھارت چاہتی ہیں۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کی علیحدگی سے فائدہ اٹھا کر پاکستان کے عظیم ہمسایہ ملک چین کا حصار کرنے کی فکر میں ہیں۔ انہوں نے اس سے فائدہ حاصل کرنے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ سی آئی اے بھرپور انداز میں مصروف عمل رہی۔

ادھر مشرقی پاکستان میں عوام دوست طاقتوں نے اپنی صفوں کو منظم کیا۔ مزدور اور کسان نے وقت کی نبض پر ہاتھ رکھا۔ ہوا کو اپنے مخالف پایا۔ اس کا مقابلہ کرنے کا ایک ہی طریقہ تھا جدوجہد۔۔ سو عظیم مزدوروں اور کسانوں نے جدوجہد کے لئے کمر کس لی۔ مشرقی پاکستان میں تین طاقتیں اپنے حقوق کے لئے سامنے آئیں۔ ان میں ایک نے انتخابات کے ذریعے عوامی اقتدار کے حصول کی راہ چنی۔ دوسری نے مصلحت کو ٹھکرا دیا۔

مقبوضہ اخبارات مجیب اور بھٹو کے درمیان اختلافات پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں

اور جدوجہد کو سینے سے لگایا۔ تیسری طاقت رجعت پسندوں اور غیر ملکی مفادات کے تحفظ اور مضبوط مرکز کی آڑ میں عوام دشمنی میں لگی رہی۔

مجیب پہلی طاقت کے قائد کے طور پر ابھرے انہوں نے سہمے ماحول میں صدائے احتجاج بلند کی۔ بھوکا بنگال اردگرد جمع ہوگیا۔ مجیب نے تپتے ہوئے لوہے پر ہتھوڑا مارا۔ چنگاریاں اڑتی دکھائی دیں۔ مجیب اور ان کے ساتھیوں پر جیلوں کے دروازے وا ہوگئے۔ بھوکے ننگے عوام نے اس آگ کو بجھنے نہ دیا۔ مشرقی پاکستان آگ کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ حکمران اس وقت بھی مضبوط مرکز، مضبوط مرکز کی رٹ لگانے میں محو رہے۔ ایوب خان نے منعم خان اور منعم خان نے عوام دشمن طاقتوں کو اقتدار بچانے کے لئے چنا۔ ظلم بڑھتا رہا شعلے بلند ہوتے رہے۔ سینوں میں گولیاں پیوست کرنا حکمرانوں کا شیوہ بن گیا۔ گولیوں کے لئے سینے پیش کرنا روایت بن گئی اس طرح یہ قوت خون دے کر اپنے پودے کی آبیاری کرتی رہی۔

مغربی پاکستان کا مزدور، کسان اور مظلوم بھی بیدار ہوگیا۔ یہاں بھی مشرقی پاکستان سے مختلف حالات نہ تھے صرف اتنا تھا کہ ۲۲ خاندان ملک کے اس حصے میں پنپ رہے تھے۔ غیر ملکی سرمایہ ان کے قبضے میں تھا۔ حکمرانوں کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں تھی۔ یہ مغربی پاکستان میں بیٹھ کر مشرقی پاکستان کی تیسری طاقت یعنی رجعت پسندوں نام نہاد اسلام پسندوں اور غیر ملکی مفادات کو تقویت پہنچا رہے تھے۔ اس کی آڑ میں دو پاکستان اور اکھنڈ بھارت کے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرانے والے ۲۲ خاندانوں اور حکمرانوں کی بجائے مغربی پاکستان کو ہدفِ تنقید بنانے۔

ایوب آمریت کے خلاف عظیم عوامی ابھار نے مغربی پاکستان میں جنم لیا۔ کراچی سے پشاور تک ایوب شاہی کے خلاف عوام کے شدید ردِعمل نے ثابت کر دیا کہ ظلم کا نشانہ بننے والے مشرقی پاکستان کے رہنے والے ہی نہیں بلکہ دونوں طرف آگ برابر لگی ہوئی ہے۔ کراچی نے خون دیا۔ لاہور نے اپنے جوانوں کی قربانیاں پیش کیں راولپنڈی سینہ سپر ہوگیا۔ پشاور نے ایوب آمریت کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے پر کمر باندھ لی۔ بھٹو مظلوم شہریوں کے دلوں کی دھڑکن بن گیا۔ مشرقی پاکستان میں مجیب اور مغربی پاکستان میں بھٹو۔

مجیب جیل سے رہا ہوگئے۔ انہوں نے گول میز کانفرنس میں شرکت بھی کی۔ بھٹو نے اسے بھی ٹھوکر ماردی اور مجیب نے مشرقی پاکستان میں مسلسل کوششوں سے جو مقام حاصل کیا تھا، بھٹو نے اپنے اس عمل سے مغربی پاکستان میں عوام کے دلوں کو موہ لیا۔ وہ بھٹو کے خلوص، نیک نیتی اور عوام دوستی پر ایمان لے آئے۔ انہوں نے اس بھٹو کو فراموش کر دیا جو ایوب آمریت کا ایک وزیر تھا۔ اس دور کے اس بھٹو کے پرستار بن گئے جس نے بھارت کو للکارا تھا، جس نے بھارت سے ایک ہزار سال تک لڑتے رہنے کے عزم کا اعلان کیا تھا جس نے اعلانِ تاشقند کے خلاف بغاوت کی اور وزارتِ خارجہ کو ٹھکرا دیا جو پاک چین دوستی کا دم بھرتا تھا، عوام نے اس بھٹو کو مجیب کے برابر لا کھڑا کیا۔ ایک وطن کے دو حصوں کے مظلوم عوام کے دو رہنما بھٹو اور مجیب سامنے آئے انتخابات نے اس کی تصدیق کر دی۔

عوامی لیگ اور

پیپلز پارٹی

گماشتہ سرمایہ داروں

جاگیرداروں اور

نوکرشاہی کا

نام و نشان مٹا دینگی

انتخابات میں رجعت پسندوں، نام نہاد اسلام پسندوں، غیر ملکی ایجنٹوں اور گماشتہ سرمایہ داروں کے دلالوں کو اپنے مشن میں زبردست شکست ہوئی اور انہیں دکھائی دیا کہ دوسری طاقت خاموش ہے۔ انہوں نے عوام کے فیصلے کے سامنے چپ سادھ لی ہے اور عوام کو اس تجربے کی مکمل مہلت دے دی ہے۔ تب تیسری طاقت کے پاس اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ وہ بھٹو اور مجیب کے مابین اختلافات پیدا کرے۔ ایک مکار، شاطر اور عیار کی طرح مجیب کو یہ باور کرائے کہ بھٹو اقتدار کا بھوکا ہے۔ عوامی لیگ بلاشبہ اکثریتی جماعت ہے لیکن بھٹو نہیں چاہتا کہ عوامی لیگ حکومت بنائے۔

مقبوضہ اخبارات کو سگنل مل چکا ہے۔ انہیں انتخابات سے پہلے بھی اسی قسم کا سگنل ملا تھا۔ عوام دشمنی کے تمام حربے آزمائے گئے۔ من گھڑت خبریں، لغو اور بے بنیاد تجزیے اور زرد صحافت کے بدترین نمونے پیش کئے گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ مالکانِ اخبارات نے دولت کے بدلے مذہب کو داؤ پر لگا دیا۔ ضمیر فروشی کے گھناؤنے مظاہرے کئے گئے۔ انہوں نے خانہ جنگی کے ہر منصوبے کو جزوِ ایمان سمجھا اور اخبارات میں فتووں کے نام سے مسلمانوں کو کافر قرار دینے کے سرٹیفکیٹ چھاپے۔ عوام نے ان تمام خرافات کو یکسر رد کر دیا۔ کفر کے فتوے منوں کے حساب سے کباڑیوں کی دکانوں کی زینت بن گئے۔

بے اثر مقبوضہ اخبارات نے عوام سے غداری کی روایت ابھی تک برقرار رکھی ہے۔ وہ پوری شدت کے ساتھ ڈھٹائی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ ماضی میں شرم و حیا کا پاس رکھتے تو یقیناً آج ان کا رویہ بدلا ہوتا۔ عوام کا ساتھ دیتے اور ایک بار سبق سیکھنے کے بعد عبرت حاصل کرتے لیکن آج وہ اپنے زخمی پنجے سے عوام کے آہنی عزائم کے ساتھ نبرد آزما ہو رہے ہیں۔ انہیں ایک اور ٹھوکر چاہیئے۔ ایسی ٹھوکر کہ منہ کے بل گریں اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن ہو جائیں۔

ہمارے نزدیک مجیب اور بھٹو کے درمیان تنازعہ کی کوششیں ایک گھناؤنی اور عوام دشمن سازش کے مترادف ہیں۔ ووٹ دینے والوں نے دونوں پارٹیوں سے یہ توقعات وابستہ کی ہیں کہ ان کے مسائل حل ہو جائیں گے۔ دونوں سیاسی

باقی صفحہ ۱۴ پر



سفر جاری ہے

عوام سے کیا ہوا ایک ایک وعدہ پورا ہوگا

محمود شام

یہ روہڑی ہے رات کے سوا گیارہ بجے ہیں۔ تیز گام انتظار میں ہے۔ ریلوے پل پر سے لوگوں کا ہجوم گاڑی کی طرف بڑھ رہا ہے آوازیں آرہی ہیں "جیئے بھٹو۔ سدا جیئے"۔ سکھر کے عبدالحلیم پیرزادہ، رؤف جوہر اور دوسرے ساتھی بھٹو صاحب کو لئے آرہے ہیں۔ اسٹیشن پر میر رسول بخش تالپور، میر اعجاز علی تالپور، میر محبوب علی میگسی، مخدوم طالب المولیٰ، بیرسٹر کمال اظفر استقبال کے لئے موجود ہیں۔ حیدرآباد سے سوار ہونے والے بعض ہم سفر سو بھی رہے ہیں۔ اس لئے وہ اس سردی میں پلیٹ فارم پر نہیں آسکے۔ "کاروانِ مساوات" آگے بڑھ رہا ہے۔ منزل پنجاب ہے۔ سندھ والے پنجاب جارہے ہیں۔ پنجاب کا شکریہ ادا کرنے۔ جس نے "تلوار" کو بلند کردیا ہے۔ میر رسول بخش تالپور، سردار نور محمد لُنڈ، میر محبوب علی میگسی، عبداللطیف بیٹھے ہوئے سندھ کی سیاست پر باتیں کر رہے ہیں۔ باقی لوگ کمروں میں تقسیم ہو چکے ہیں۔ بدیع الحسن زیدی صاحب اکیلے سونے کے عادی ہیں اس لئے ایک کوپے پر انہوں نے قبضہ کرلیا ہے۔ میر اعجاز علی تالپور، میر ممتاز علی تالپور، ایک کمرے میں، مخدوم صاحب ایک کمرے میں۔ رات بھیگنے لگی ہے۔ سندھ پنجاب کے تذکرے کرتا سو جاتا ہے، پھر سندھ اپنے آپ کو پنجاب میں پاتا ہے۔

انتہائی سخت جاڑے میں ملتان کینٹ پر لوگ کھیسوں کی بکل مارے اسٹیشن پر بھٹو کی جھلک دیکھنے کے لئے آپہنچے ہیں۔ بھٹو انہیں دیکھ رہا ہے، اور وہ اسے "بھٹو جیوے۔ صدر بھٹو جیوے" یہ ان کے دل کی آواز ہے۔ "ساڈا بھٹو آگیا۔ ساڈا شیر آگیا۔" لوگوں کو جنگِ ستمبر، تاشقند، ایوب خاں کی آمریت اور جانے کیا کچھ یاد آرہا ہے۔ گاڑی چل پڑی ہے۔ تیز گام میں سویا ہوا سندھ جاگ اٹھا ہے کیونکہ سونے کا ہنگام گزر گیا۔ پنجاب آگیا ہے۔ ملتان کے میدانوں، قصبوں میں سے گزرتی گاڑی خانیوال کی طرف چل رہی ہے کوریڈور میں راؤ اشفاق احمد خاں، محمود بابر، اور شیخ اکبر نظر آرہے ہیں۔ ملتان میں پیپلز پارٹی کے جیالے کارکن اور رہنما۔ خانیوال ریلوے اسٹیشن پر سَر ہی سَر نظر آرہے ہیں۔ لوگ بھٹو کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے ریلوے پل، دیواروں پر چڑھ گئے ہیں۔

بھٹو کہہ رہا ہے: "یہ میری نہیں آپ کی کامیابی ہے۔ عوام کی جیت ہے۔ آپ نے ہم پر اعتماد کیا، میں اس کا شکریہ ادا کرنے آیا ہوں۔ اور یہ یقین دلانے آیا ہوں کہ ہم نے جو وعدے کئے تھے ان میں سے ایک ایک پورا کیا جائے گا۔ ہم عوام سے منافقت نہیں کرینگے۔"

پل پر لوگ کھڑے ہیں اور لوگوں کے نیچے سے تیز گام گزر رہی ہے۔ خانیوال سے بہت سے کارکن رہنما اور ارکانِ اسمبلی ساتھ ہو لئے ہیں۔ ساہیوال ابھی دور ہے۔ یہ لوگ ساہیوال تک ساتھ چل رہے ہیں۔ پنجاب کے کارکن میر رسول بخش تالپور اور مخدوم زماں طالب المولیٰ کی تلاش میں ہیں۔ بھٹو صاحب کے بعد وہ اپنی عقیدت کے اظہار کے لئے ان بزرگوں سے ملتے ہیں۔ نوجوان کارکن معراج محمد خاں اور طارق عزیز کو پوچھتے ہیں۔ پلیٹ فارم پر آواز لگتی ہے، طارق عزیز، طارق عزیز۔ مگر یہ لوگ ابھی حیدرآباد میں ہیں، ساہیوال کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ مسلسل آٹو گراف لئے جارہے ہیں۔ "الفتح" والی رنگین تصویریں لوگ لارہے ہیں۔ اور بھٹو صاحب سے دستخط لے رہے ہیں۔ ساہیوال آگیا۔ اسٹیشن پر انسانوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ ایک سیلاب ہے۔ انسان لہروں کی طرح ہل رہے ہیں۔ گاڑی غلط جگہ رک گئی ہے۔ بھٹو صاحب آخری بوگی میں بیٹھے ہیں۔ ڈبہ اسٹیشن کے دروازے کے عین سامنے رکا ہے۔ جگہ بالکل تنگ ہے۔ لوگ بھٹو کو دیکھ سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں۔ بے حد شور مچ رہا ہے۔ بھٹو صاحب شکریہ ادا کرنے ساہیوال کے عوام کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے بعد پھر اپنے کمرے میں لوٹ آئے ہیں۔ لیکن تمام لوگ دیکھ نہیں سکے ہیں۔ اس سے انہوں نے شیشوں پر ٹکریں مارنی شروع کردی ہیں۔ بعض نوجوان رو بھی رہے ہیں۔ بھٹو صاحب پھر دوبارہ دروازے پر چلے گئے ہیں، لوگوں کے سلام کا جواب دینے لگے ہیں۔

نعروں، دعاؤں اور سہروں میں سے گزرتی ٹرین آگے بڑھ رہی ہے۔ اوکاڑہ ٹرین نہیں رکتی۔

زمیندار باز نہ آئے تو اُن کے پاس بیس ایکڑ زمین بھی نہ رہے گی

لیکن اسٹیشن سے خاصی دور مکانات کے قریب ٹرین خود بخود رک گئی یا رکوادی گئی۔ ایک دم پٹڑی کے قریب بے شمار افراد جمع ہوگئے ہیں۔ شہر خالی ہو رہا ہے لوگ ٹرین کے پاس پہنچ رہے ہیں۔ یہ لوگ ٹرین روکنی بھی چاہتے ہیں۔ بار بار ویکیوم نکال کر ٹرین روک لیتے ہیں۔ اب ہر اسٹیشن پر لوگ ٹرین روک رہے ہیں۔ کہیں ریلوے کے عملے سے بات کر کے کہیں اپنی تکنیک استعمال کر کے۔ تاکہ اس عوامی رہنما کی جھلک سے محروم نہ رہیں، کوٹ رادھا کشن پر تو مجمع اور بھی زیادہ ہے۔ یہاں بھی ٹرین زبردستی رکوائی گئی ہے۔ مسٹر بھٹو عوام کا شکریہ ادا کرنے گیٹ پہ آگئے ہیں۔ عوام کا جوش وجذبہ دیکھ کر وہ سراپا تحسین ہو رہے ہیں۔ وہ اسے عوام کی کامیابی قرار دے رہے ہیں۔ کیونکہ پیپلز پارٹی عوام کی پارٹی ہے۔ اسے عوام نے بنایا اور عوام نے ہی اب یہ عزت بخشی ہے۔

گاڑی اسی طرح رکتی اور سندھ کو پنجاب کے جوش اور جذبے کے مناظر دکھاتی لاہور کے قریب ہو رہی ہے۔ لاہور کی حدود میں داخل ہوتے ہی ریلوے پٹڑی کے دونوں طرف بڑے جوشیلے مناظر دیکھنے میں آرہے ہیں۔ کہیں بچوں کے گروہ پیپلز پارٹی کے جھنڈے لئے کھڑے ہیں کہیں برقع پوش خواتین اپنی عقیدت کے اظہار کے لئے موجود ہیں۔ عقیدتوں اور محبتوں میں سے گزرتے ہم لاہور اسٹیشن نہیں پیار اور محبت کے سنگم پہ پہنچ گئے ہیں۔ سَر ہیں، چہرے ہیں۔ آنکھیں ہیں، ہاتھ ہیں اور کچھ نہیں ہے۔ ایک سجا ہوا ٹرک پلیٹ فارم پر موجود ہے۔ گاڑی سے ٹرک تک پہنچنے میں آدھ گھنٹہ لگ گیا اور جب ٹرک پر کھڑے ہو کر بھٹو ہاتھ ہلانے لگے تو کوٹ کی آستین میں سے قمیض کی آستین لٹک رہی تھی۔ شاید یہاں تک پہنچتے پہنچتے کف لنک اور کف ہجوم کی نذر ہوگئے۔ عقیدتوں، محبتوں اور دعاؤں کا سیلاب لاہور ریلوے اسٹیشن سے دو موریہ پل، موچی دروازہ سرکلر روڈ، بھاٹی گیٹ، اپر مال، شاہراہ قائدِ اعظم سے ہوتا اسمبلی ہال کی طرف بڑھا۔ سندھ والے پنجاب کی عقیدت اور محبت دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھے "جئے پنجاب جئے لاہور"، سائیکل تھے، سکوٹر تھے، کاریں تھیں، ٹرک تھے اور سر تھے۔ ایک سرا جلوس کا دیکھ سکتے تھے۔ مگر دوسرا دیکھنا محال تھا۔ ہو بھٹو پر پھول بن کر گر رہا تھا۔ فرش بن کر بچھ رہا تھا۔ خوشبو بن کر لپیٹ رہا تھا۔ کیا۔ کیا عقیدتیں تھیں کیا محبتیں تھیں، بالکونیوں، چھتوں سے دعائیں اتر رہی تھیں۔ سڑکوں پر عقیدت کا سیلاب بہہ رہا تھا۔ سندھ اور پنجاب گلے مل رہے تھے۔ پیپلز پارٹی کے پروگرام نے سندھ اور پنجاب ایک کر دیا ہے۔ یعنی وطن دشمن اور متعصب لوگ ایک عرصے تک سندھ میں پنجاب کے خلاف نفرت پھیلاتے رہے، لیکن ان کی تمام سازشوں کو عوام نے ناکام بنا دیا۔ آج پنجاب سندھ کا خیر مقدم کر رہا ہے۔ سندھ کا دل پنجاب کی یہ عقیدت دیکھ کر بے قابو ہوا جا رہا ہے

اسمبلی ہال کے ساتھ بھٹو نے عوام سے کہا آپ کی جیت ہوئی اور میری شکست۔ کیونکہ آپ نے جو کچھ دیا ہے۔ میں نہیں لوٹا سکتا۔ مجھے معلوم ہے کہ پیپلز پارٹی کو کس نے ووٹ دیا ہے۔ "پیپلز پارٹی کو ان لوگوں کے ووٹ دیئے ہیں جن کے جسم پھٹے پر کپڑے ہیں۔ جن کی مائیں رات کو انتظار کرتی ہیں کہ آج ان کا بیٹا کچھ کما کر لائے تو گھر میں کچھ پکے۔ جن کو ایک روز کا کھانا ملتا ہے تو دوسرے وقت کا یقین نہیں ہوتا ہمارا ساتھ عوام نے اس لئے دیا ہے کہ ہم ان کے دل کی بات کرتے تھے۔ ان کے مصائب کی بات کرتے تھے عوام نے ہم پر اس لئے اعتماد کیا ہے کہ ہم معاشی نظام بدلنا چاہتے ہیں۔ اور لالے بھارت سے اس وقت تک مقابلہ کرنا چاہتے ہیں جب تک بنیادی مسئلے حل نہیں ہو جاتے۔ تقریر بڑی مزے کی ہے اہم ہے۔ بھٹو صاحب خود بھی کہہ رہے ہیں کہ آج مجھے مزا آرہا ہے بڑا اچھا موڈ ہے۔ میں اور تقریر اور کرونگا۔ تقریر جاری ہے۔ لوگ سن رہے ہیں۔

پھر یہاں سے جلوس بھٹو صاحب کے اپنے حلقے میں چلا گیا ہے۔ جہاں اور دو تین گھنٹے یہی عالم رہا ہم ادھر نہیں جا سکے۔ اگلے روز انٹرنیشنل ہوٹل میں استقبالیہ تھا۔ استقبالیہ تھا۔ استقبالیہ کیا تھا جلسۂ عام ہی بن گیا تھا۔ یہاں لوگوں نے سرمایہ داروں زمینداروں کی زیادتیوں کی شکایتیں کیں۔ جس پر بھٹو صاحب نے کہا: "میں سرمایہ داروں زمینداروں کو WARN کرتا ہوں کہ اگر انہوں نے یہ حرکتیں بند نہ کیں، تو جو نیشنلائزیشن ہم نے کل کرنی ہے آج کریں گے اور جو زمین کی حد سو پچاس یا ایک سو پچاس ایکڑ رکھی ہے۔ ہم بیس ایکڑ بھی نہیں رہنے دیں گے!" دستور کے بارے میں بھی انہوں نے کہہ دیا کہ کسی ایک صوبے کی منظوری سے بننے والا آئین قطعاً قبول نہیں کیا جائے گا۔ ہمارے بغیر کوئی مرکزی حکومت چل سکتی ہے اور نہ کوئی دستور بن سکتا ہے۔"



پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین
ذوالفقار علی بھٹو
کے کراچی میں استقبال اور جلسۂ عام پر خصوصی فیچر آئندہ شمارے میں ملاحظہ فرمائیے۔ (ادارہ)



"پاکستان کے محب وطن عوام اور عوام دوست سیاسی جماعتوں کے نزدیک اسلامی سکریٹیریٹ کا عدم اور وجود برابر ہے کیونکہ اس کا سکریٹری جنرل وہی تنکو عبدالرحمٰن ہے جس نے ۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران بھارت کی حمایت کی تھی"

اسلامی ممالک کی کانفرنس میں مسئلہ کشمیر کا تذکرہ نہیں کیا گیا

وقائع نویس

کراچی میں اسلامی ممالک کے وزرائے خارجہ کی دوسری کانفرنس تادمِ تحریر جاری ہے۔ (یہ سطور اتوار کی صبح کو لکھی جا رہی ہیں)، اس کانفرنس کا پس منظر یہ ہے کہ گزشتہ سال ماہ اگست کے دوران مسجد اقصیٰ میں آتشزدگی کی بعد ستمبر ۶۹ء میں رباط میں اسلامی ملکوں کی سربراہ کانفرنس ہوئی تھی۔ رباط کانفرنس کے ایک فیصلے کے مطابق اسی سال مارچ میں مسلم ممالک کے وزرائے خارجہ کی پہلی کانفرنس جدہ میں ہوئی جس میں مستقل اسلامی سیکرٹریٹ کے قیام کا فیصلہ کیا گیا تھا اور یہ بھی فیصلہ کیا گیا تھا کہ وزرائے خارجہ کی کانفرنس ہر سال منعقد کی جائے۔ یہ دوسری کانفرنس اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

اس دوسری کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے صدر یحییٰ نے کانفرنس کے جو بنیادی اصول متعین کئے ہیں وہ یہ ہیں:

● یہ کانفرنس برائے امن ہے۔ اسلام کا مطلب بھی امن ہے اور بحیثیت مسلمان ہم امن پسند انسان ہیں لیکن جیسا کہ رباط میں منعقد ہونے والی اسلامی کانفرنس میں کہا جا چکا ہے کہ امن کے ساتھ عزت و انصاف لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم باعزت امن کے خواہاں ہیں اور ہم ہر مقبوضہ علاقے کی آزادی کا مطالبہ کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ منصفانہ امن کے خواہاں ہیں اور فلسطینی یا ایشیا و افریقہ کے کسی بھی علاقے کے عوام حقِ خود اختیاری کی حمایت کرتے ہیں۔

● یہ کانفرنس مسلمانوں کے ان جذبات کی مظہر ہے کہ وہ اپنے مشترکہ مقاصد کے حصول کے لئے مل جل کر کام کریں۔

● یہ کانفرنس ایک اضافی حیثیت رکھتی ہے اور بین الاقوامی اشتراک و تعاون کے لئے کسی بنیاد کی حیثیت نہیں رکھتی اور اس طرح نہ تو یہ کوئی نئی تنظیم ہے اور نہ ہی اسے کوئی نیا بلاک قرار دیا جانا چاہیئے۔

● اس کانفرنس کی نوعیت مذہبی نہیں ہے۔

● اس کا مقصد ان اقدار کو وسعت دینا ہے جو مشترک ہیں۔

کانفرنس نے تنکو عبدالرحمٰن کو اسلامی سیکرٹریٹ کا مستقل سیکرٹری نامزد کرنے کے علاوہ اپنا ایجنڈا مرتب کر لیا ہے جس پر بحث و مباحثہ ہوگا اور جس کے مندرجہ نکات پر غور کیا جائے گا۔ ایجنڈا یہ ہے:

● تازہ ترین تبدیلیوں کی روشنی میں مشرقِ وسطیٰ کی صورتِ حال پر غور اور کانفرنس میں شریک ملکوں کی طرف سے فلسطینی عوام کی اخلاقی اور مادی امداد کا سوال۔

● گنی کے خلاف جارحانہ حملے سے پیدا ہونے والی سنگین صورتِ حال پر غور۔

● اسلامی ملکوں کے مستقل سیکرٹریٹ کے انتظامی اور مالیاتی امور پر غور۔

● ممبر ملکوں کے درمیان اقتصادی، ثقافتی اور سماجی تعاون کے سلسلے میں (ا) بین الاقوامی مسلم بینک برائے تجارت و ترقیات (ب) بین الاقوامی مسلم نیوز ایجنسی اور (ج) دنیا بھر میں اسلامی ثقافتی مراکز کی تشکیل اور استحکام کے معاملات پر غور۔

● ہر سال ۲۱ر اگست کو یوم الاقصیٰ منانے کی تجویز پر غور۔

● مسلم ملکوں کے وزرائے خارجہ کی تیسری کانفرنس کے لئے جگہ اور تاریخ کا تعین۔

اس کانفرنس کے فیصلوں اور اسلامی سیکرٹریٹ کو پاکستان کے عوام کی حمایت حاصل ہوگی یا نہیں؟ مشرقِ وسطیٰ کی سیاست پر اس کانفرنس کا کیا اثر پڑے گا؟ یہ دو سوالات نہایت اہم ہیں۔

پاکستان کے محبِ وطن عوام اور عوام دوست سیاسی جماعتوں کے نزدیک اسلامی سیکرٹریٹ کا وجود اور عدم وجود برابر ہے کیونکہ اسلامی سیکرٹریٹ کا سیکرٹری جنرل وہی ٹنکو عبدالرحمٰن ہے جس نے

مسئلہ فلسطین کے بارے میں کانفرنس کوئی مؤثر کردار ادا نہیں کر سکے گی

۱۹۶۵ء کی جنگ کے دوران بھارت کی حمایت کی تھی۔ اس کے نمائندے نے اقوام متحدہ میں پاکستان کو جارح قرار دیا تھا جبکہ پاکستان کے بدترین دشمن امریکی سامراج کو بھی اس طرح کا مکروہ جھوٹ بولنے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ ہمیں تو صدمہ اس بات کا ہے کہ سامراج کے اس پٹھو کو ہمارے پاک دیس کی زمین پر اپنے ناپاک قدم رکھنے کی جرائت کیسے ہوئی، اور پھر اس کی دیدہ دلیری دیکھئے کہ اپنی تقریر میں "پاکستان کے محسن، پاکستان کے عوام کے عظیم دوست اور کٹھن وقت میں شانے سے شانہ ملانے والے ڈاکٹر سوکارنو پر پاکستان میں بیٹھا جارحیت کا الزام لگا رہا ہے۔ ذرا یہ الفاظ ملاحظہ کیجئے:

"جب سابق حکمراں جماعت نے ملائیشیا کو تباہ کرنا چاہا اور میرے ملک کے خلاف اس نے اعلانیہ جارحانہ حملوں کا سہارا لیا تو انڈونیشیا کے مسلمانوں نے باہمی نفرت پر مبنی پالیسی تبدیل کرا دی ......"

حالانکہ یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ڈاکٹر سوکارنو جارحیت کے سخت ترین دشمن تھے، اور آزادی کے علمبردار تھے۔ سوکارنو ملائشیا اور اس کے عوام کے دشمن نہیں تھے۔ وہ ملائشیا کو ہڑپ نہیں کرنا چاہتے تھے بلکہ انہیں ملائشیا کے حکمرانوں سے شدید نفرت تھی جو اپنے عوام کا استحصال کرنے کے ساتھ ساتھ ڈاکٹر سوکارنو کی سامراج دشمن حکومت کے خلاف ہمہ وقت سازش میں مصروف رہتے تھے۔ اور یہ بات بھی سب جانتے ہیں کہ ڈاکٹر سوکارنو کو انڈونیشیا کے عوام نے معزول نہیں کیا تھا بلکہ سی آئی اے نے عوام دشمن سوہارتو ٹولے سے مل کر محلاتی سازشوں کے ذریعے انہیں اقتدار سے محروم کیا تھا۔ یہ سوال کہ اب انڈونیشیا اور ملائشیا کے تعلقات خوشگوار ہیں، تو یہ تعلقات عوام نے قائم نہیں کئے۔ بلکہ دونوں ممالک کے حکمرانوں نے اپنے مفاد کے تحت قائم کئے ہیں۔

کانفرنس کے پہلے دن کی پوری کارروائی پڑھنے کے باوجود کسی جگہ آپ کو کشمیر، بھارت کے مسلمانوں پر ہونے والی زیادتیوں اور اری ٹیریا کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں ملے گا۔ حد تو یہ ہے کہ صدر یحییٰ نے اپنی تقریر میں حقِ خود ارادیت کی حمایت کی ہے۔ مشرقِ وسطیٰ کے تنازعہ پر تشویش کا اظہار کیا ہے، نوآبادیاتی نظام کی مذمت کی ہے، نسلی تعصبات اور نوآبادیاتی استحصال پر کڑی نکتہ چینی کی ہے لیکن کشمیر، بھارت کے مسلمانوں پر ہونے والے مظالم اور اری ٹیریا کے بارے میں خاموش رہے۔ کانفرنس کے ایجنڈا میں بھی ان کا کوئی ذکر نہیں ہے حالانکہ کشمیر پاکستان کے لئے شہ رگ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے بغیر نہ صرف پاکستان بلکہ لفظ "پاکستان" بھی نامکمل رہتا ہے۔ کانفرنس کے باہر کشمیریوں نے مظاہرہ بھی کیا لیکن اس پر بھی کانفرنس کے شرکاء کو کشمیر کے بارے میں کچھ کہنے کی توفیق نہ ہوئی۔ اسی طرح بھارت کے مسلمانوں پر بدترین ظلم ہو رہا ہے۔ ایتھوپیا نے مسلمانوں کے حقوق سلب کر رکھے ہیں۔ اری ٹیریا کے مسلمان ایتھوپیا کے عیسائی اور سامراج نواز حکومت سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن کانفرنس میں ان کا نہ تو نام لیا گیا اور نہ غاصبوں کی مذمت کی گئی۔

یہ کانفرنس مشرق وسطیٰ میں بھی کوئی خاص کردار ادا نہیں کر سکے گی کیونکہ مشرقِ وسطیٰ کے تین ملک، شام، عراق اور یمن نے اس میں شرکت نہیں کی ہے۔ دنیائے عرب کے تینوں ممالک کے بغیر فلسطین کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا۔

ہمارے خیال میں اگر مسلمانوں کی کوئی بین الاقوامی تنظیم جس میں صرف دنیائے عرب کے تین ممالک شامل نہ ہوں، اور وہ کانفرنس کسی خطے کے مظلوموں کی حمایت کرے اور چند مسائل پر بات چیت کرے اور چند پہ خاموشی اختیار کرے تو اس تنظیم کا عدم اور وجود برابر ہے۔

عوامی جدوجہد کا تجزیہ (۱)

انتخابات سے پہلے اور انتخابات کے بعد

شوکت صدیقی



ایوب خان کی شکست ظالم طبقوں کی عارضی پسپائی تھی

ملک کے عام انتخابات میں عوامی جمہوری قوتوں کو جو کامیابی حاصل ہوئی ہے اس سے پاکستان کی تاریخ میں ایک نئے باب کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ منزل کی جانب عوامی جدوجہد کا اگلا قدم ہے — ایک بہتر مستقبل کی بشارت ہے۔

۱۹۶۸ء کے اوائل میں جس عوامی جدوجہد کا آغاز ہوا تھا اس کا پہلا مرحلہ اس وقت طے ہوا جب ایوب خاں کو اقتدارِ اعلیٰ سے کنارہ کشی اختیار کرنی پڑی ایوب خاں کی شکست اس حکمراں طبقے کی شکست تھی جو جاگیرداروں، اجارہ دار سرمایہ داروں اور نوکر شاہی پر مشتمل تھا لیکن یہ شکست ان طبقات کی عارضی پسپائی تھی، لہٰذا عوامی جدوجہد کے خلاف انہوں نے دوسرے محاذ کی تیاریاں زیادہ قوت سے شروع کر دیں۔ اس مہم میں "اسلام پسند" ان کے اتحادی کی حیثیت سے شریک ہوئے انتخابات میں ان طبقات اور ان کے اتحادیوں کی شکست کے بعد عوامی جدوجہد اب کامیابی کے ساتھ دوسرے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ اس مرحلے پر ضروری ہے کہ اس جدوجہد کا سائنٹفک تجزیہ کیا جائے تاکہ اس کی روشنی میں صحیح سمت کا تعین کیا جا سکے۔ اس سلسلے جو سوالات ابھر کر سامنے آتے ہیں وہ یہ ہیں:

عوام میں یہ ابھار کیوں اور کیسے پیدا ہوا اور اس مرحلے تک کس طرح پہنچا؟

کیا یہ عوامی جدوجہد محض کسی سیاسی تبدیلی کے لئے ہے یا معاشرے کا وہ تاریخی عمل ہے جو معاشرتی نظام میں کسی بنیادی تبدیلی کا متقاضی ہے؟

کہا جاتا ہے کہ یہ ایوب خاں کی آمریت اور اس سے پیدا ہونے والے سیاسی تشدد کے خلاف عوام کا غم و غصہ تھا جس کے ردعمل نے سیاسی تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ یہ خیال درست نہیں۔ اگر یہ عوامی جدوجہد ایوب آمریت کے ردعمل میں پیدا ہوئی تھی تو اسے ایوب خاں کے زوال کے ساتھ ہی سرد پڑ جانا چاہیئے تھا۔ رہا آمریت کا سوال تو اس کا تصور ہی اب تک غلط پیش کیا گیا۔ طبقاتی معاشرے میں ہر حکومت بنیادی طور پر ایک طبقے کی دوسرے پر آمریت ہی ہوتی ہے۔ جب سے معاشرے میں طبقات نے جنم لیا ہے، انسانی معاشرے کی یہی تاریخ ہے۔ انسانی تاریخ میں اب تک صرف پانچ معاشرتی نظام ملتے ہیں اور ان میں آمریت کا تصور یہ رہا ہے:

۱: قدیم کمیونل نظام: یہ غیر طبقاتی معاشرہ تھا۔ اس میں ذرائع پیداوار پورے معاشرے کی ملکیت تھے۔ معاشرے کے تمام افراد کی محنت مشترک تھی اور اس مشترکہ محنت کی پیداوار بھی مشترک تھی۔ لہٰذا کسی قسم کے استحصال کا وجود نہ تھا۔ اس معاشرے میں کوئی مملکت تھی، نہ حکومت نہ حکمرانی تھی نہ آمریت۔

۲: غلام رکھنے والا نظام: یہ تاریخ کا اولین طبقاتی معاشرہ تھا۔ اس میں ذرائع پیداوار آقاؤں کی ملکیت تھے۔ یہ غلاموں پر آقاؤں کی آمریت تھی جو غلاموں کی محنت کا استحصال کرتے تھے، انہیں خرید سکتے تھے، فروخت کر سکتے تھے اور قتل بھی کر سکتے تھے۔

۳: جاگیردارانہ نظام: اس معاشرے میں ذرائع پیداوار جاگیرداروں کی ملکیت تھے۔ یہ کسانوں پر جاگیرداروں کی آمریت تھی، جن کی محنت کا وہ استحصال کرتے تھے۔ انہیں خرید سکتے تھے، فروخت کر سکتے تھے لیکن قتل نہیں کر سکتے تھے۔

۴: سرمایہ داری نظام: اس معاشرے میں ذرائع پیداوار سرمایہ داروں یعنی بورژوا

مہنگائی اور بیروزگاری سرمایہ دارانہ نظام کی بنیادی خصوصیات ہیں

طبقے کی ملکیت ہوتے ہیں۔ یہ مزدوروں اور دوسرے محنت کش طبقوں پر سرمایہ داروں کی آمریت ہوتی ہے جو ان کی محنت کا استحصال کرتے ہیں۔

۵: سوشلسٹ نظام: اس معاشرے میں ذرائعِ پیداوار پورے معاشرے کی ملکیت ہوتے ہیں لہٰذا محنت کا استحصال نہیں ہوتا۔ پچھلے بورژوا طبقے پر محنت کشوں یعنی پرولتاریہ کی آمریت ہوتی ہے۔

"آمریت" کا جو تصور عام طور پر پیش کیا جاتا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ جب حکمران طبقے کی گرفت ڈھیلی پڑ جاتی ہے تو اسے اپنی حکمرانی برقرار رکھنے کے لئے زیادہ تشدد سے کام لینا پڑتا ہے۔ "تشدد" کے ساتھ "زیادہ" اس لئے کہنا پڑا کہ جب آبادی کا ایک حصہ دوسرے پر یا ایک طبقہ دوسرے پر حکمرانی کرتا ہے اور اس کی بنیاد محنت کے استحصال پر ہو تو یہ تشدد کے باقاعدہ استعمال کی ایک منظم شکل ہوتی ہے۔

عوامی جدوجہد کے بارے میں دوسری بات یہ کہی جاتی ہے کہ بڑھتی ہوئی مہنگائی، بے روزگاری، منافع خوری، رشوت ستانی اور دوسری بدعنوانیوں کے خلاف یہ عوام کا احتجاج تھا۔ وہ بے چین ہو کر گھروں سے نکل کر شاہراہوں پر آ گئے اور اس نے تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ یہ بات بڑی حد تک درست ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر یہ مہنگائی، بیروزگاری اور بدعنوانیاں کیوں پیدا ہوتی ہیں؟ دراصل مہنگائی، بے روزگاری اور بدعنوانیاں بورژوا نظام کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ یہ اس نظام میں ہمیشہ سے تھیں اور ہیں اور بڑھتی بھی رہتی ہیں، کبھی کم نہیں ہوتیں۔ اس نظام میں یہی ہوتا ہے اور جب تک وہ برقرار ہے یہی ہوتا رہے گا۔ اب اس سوال کے ساتھ یہ بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر مہنگائی بے روزگاری اور بدعنوانیاں بڑھتی کیوں ہیں؟

اس کا ایک سبب یہ بتایا جاتا ہے کہ بے انتہا ارتکازِ دولت ہو گیا تھا۔ ملک کی دولت سمٹ کر بائیس گھرانوں کی تجوریوں میں بند ہو گئی تھی۔ ملکی صنعت اجارہ داریوں میں تبدیل ہو گئی تھی اور اس کے نتیجے میں مہنگائی بڑھی، بے روزگاری پیدا ہوئی اور بدعنوانیاں پھیلیں۔ یہ ایک اہم اور بڑا سبب ہے لیکن ارتکازِ دولت اور صنعتی اجارہ داریوں کا قیام سرمایہ داری کی بنیادی شرط ہے۔ سرمایہ داری جب آگے بڑھتی ہے تو یہی شکل اختیار کرتی ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے مناسب ہوگا کہ مسئلہ کے اس پہلو پر بھی روشنی ڈالی جائے کہ ارتکازِ دولت کیوں ہوتا ہے اور صنعتی اجارہ داریاں کیسے وجود میں آتی ہیں۔

سرمایہ داری نے سامراج کے مرحلے تک پہنچنے میں جو مختلف مراحل طے کئے۔ ان میں ایک مرحلہ وہ تھا جسے آزاد مسابقت کہا جاتا ہے۔ یہ اس کا ابتدائی دور تھا۔ اس مرحلے پر پیداوار کی فروخت بڑھانے اور زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرنے کی غرض سے ہر سرمایہ دار پیداوار کی کوالٹی اور طریقِ پیداوار کو بہتر بناتا تھا۔ دوسروں کے مقابلے میں کم قیمت اور بہتر مال دینے کے لئے وہ قیمتِ پیداوار میں تخفیف کرتا تھا۔ یہ رجحان جو آزاد مسابقت کی پیداوار تھا، اسے رفتہ رفتہ اس مرحلہ پر لے گیا جب اس نے اپنی پیداوار سے وابستہ دوسری پیداواری اشیاء کے کارخانے قائم کرنے شروع کر دیئے۔ مقصد اس کا قیمتِ پیداوار کم کرنا تھا تاکہ وہ اپنی پیداوار بڑھا سکے۔ طریقِ پیداوار کو بہتر بنا سکے۔ پیداوار کی کوالٹی کو اعلیٰ سے اعلیٰ تر کر سکے اور اس طرح دوسروں کے مقابلے میں اس کے مال کی زیادہ مانگ ہو۔ منڈی پر اس کا قبضہ ہو۔

لیکن آزاد مسابقت کے اس نئے رجحان کا یہ نتیجہ نکلا کہ ایک ہی سرمایہ دار کے پاس کئی کئی کارخانے ہو گئے یہ مقابلے کی دوسری دوڑ تھی اور اس طرح چھوٹے کارخانوں کے بجائے بڑے کارخانے وجود میں آنے لگے۔ بیسویں صدی کے آغاز ہی میں سرمایہ داری اس مرحلہ پر آ گئی تھی۔ معاشرے کو جن اشیاء کی ضرورت تھی، ان کی پیداوار کے ذرائع چھوٹے سرمایہ داروں سے نکل کر بڑے صنعتی گروپوں کے ہاتھوں میں آ گئے۔ آزاد مسابقت کی جگہ اجارہ دار سرمایہ داری نے لے لی۔ یہ ارتکازِ دولت کی وہ شکل ہے جب کسی ملک کا سرمایہ چند خاندانوں کی تجوریوں میں منتقل ہو جاتا ہے۔ یہ سب کچھ سرمایہ داری کے فطری عمل کے طور پر ہوتا ہے۔ سرمایہ داری کی نشوونما اسی طور ہوتی ہے۔ پاکستان میں بھی یہی ہوا۔ سرمایہ داری ہوگی تو اجارہ داریاں بھی ہوں گی، اور ارتکازِ دولت بھی۔ ذرائعِ پیداوار پر نجی سرمایہ دارانہ ملکیت کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔

لیکن یہ سبب تسلیم کر لینے کے بعد اب مسئلہ کا دوسرا پہلو سامنے آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ صنعتی اجارہ داریاں جب دوسرے سرمایہ دار ملک میں اس صدی کے آغاز میں ہی وجود میں آ چکی تھیں تو پاکستان کے معاشی نظام میں ان سے معاشی عدم توازن کیوں پیدا ہوا جس نے عوام کو شدت کے ساتھ بے چین کر دیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان کی معیشت بنیادی طور پر ہنوز زرعی معیشت ہے۔ صنعتی نشوونما جس رفتار سے ہوئی زراعت اس رفتار سے ترقی نہ کر سکی۔ اس طرح شہروں اور دیہات کا رشتہ کٹ گیا۔ صنعتی ترقی اور زرعی ترقی جو قومی معیشت کی نشوونما کے لئے لازم و ملزوم ہیں، ایک دوسرے سے بڑی حد تک منقطع ہو گئیں۔ علاوہ ازیں ہماری صنعتی پیداوار سے زرعی پیداوار کو کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ ہماری صنعتوں نے اپنی پیداوار میں صرف آسودہ حال طبقات کی ضروریات پر انحصار کیا یا زرِ مبادلہ کمانے کے لئے قابلِ برآمدات پیداوار پر۔ (جاری ہے)

بقیہ: - مجیب کیا سوچ رہے ہیں

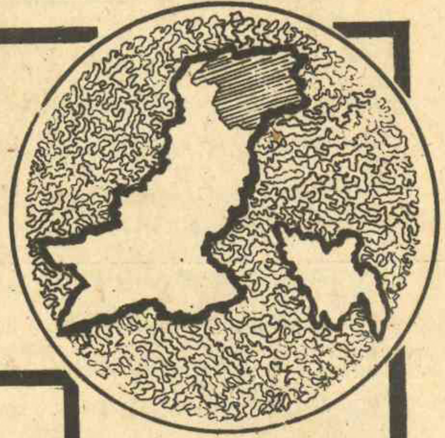
جماعتیں اپنے منشور کی روشنی میں گماشتہ سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور نوکر شاہی کا نام و نشان مٹا دیں گی۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کے ابھرتے ہوئے سرمایہ داروں اور بھوکے ننگے، بنیادی سہولتوں سے محروم شہریوں کی خواہشات پوری ہو جائیں گی۔

رجعت پسند، مقبوضہ اخبارات کے ذریعے ایسا نہیں چاہتے۔ وہ گماشتہ سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور امریکی سامراج کی دلالی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ ہم انہیں نوشتۂ دیوار پڑھنے کی دعوت دے رہے ہیں۔ ان کے سامنے مجیب کے خیالات رکھ رہے ہیں کہ مجیب مغربی پاکستان کے عوام کو ان کے حقوق سے محروم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ بھٹو صاحب ان کے لئے کھلی کتاب ہیں۔

احوال واقعی







اب مارشل لاء کا کوئی جواز نہیں ہے

منہاج برنا

کے تاریخی انتخابات کے نتائج

۷ر دسمبر پہ یوں تو ہر نہج سے تبصرے اور قیاس آرائیاں کی جا رہی ہیں۔ لیکن مبصرین نے بالعموم اپنی توجہ صرف ایک ہی نکتہ پر مرکوز رکھی ہے۔ اور وہ یہ کہ آخر شیخ مجیب الرحمان اور مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کیونکر ایک آئین پر متفق ہو سکیں گے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ مبصرین حضرات اس سے پہلے اس سوال کو اپنی ذہنی کاوشوں کا مرکز بناتے کہ شیخ مجیب اور مسٹر بھٹو جن کی جماعتوں نے دونوں بازوؤں میں واحد اکثریتی پارٹیوں کی حیثیت حاصل کر لی ہے۔ کیوں کر یہ پسند کریں گے کہ جیتے ہوئے انتخابات کے فوائد سے انہیں محروم کر دیا جائے۔ اور یا تو ملک میں مارشل لاء برقرار رہے یا انہیں ہر چار چھ ماہ بعد الیکشن کے کولھو میں جوت دیا جائے۔

دراصل اس سوال کے جواب کے بعد پہلے سوال کا جواب از خود نکل آتا ہے۔ جن حالات و کوائف سے ہمارا ملک گزر رہا ہے اس میں سردست اقتدار کی منتقلی کا مسئلہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں جمہوریت پسندی کے تقاضوں کے پیش نظر فوج کی اپنی بیرکوں میں واپسی اور ایک شہری حکومت کا قیام وقت کی اولین ضرورت ہے۔ اور یہ بات محض قیاس نہیں بلکہ ایک حتمی وعدہ ہے جو خود صدر یحییٰ نے قوم سے کیا ہے

اس ضمن میں سب سے گھمبیر پہلو اس تضاد میں مضمر ہے جو بدقسمتی سے عوام کے فیصلہ Mandate اور صدر یحییٰ کے نافذ کردہ آئینی ڈھانچہ کے حکم Legal Fram work order کے درمیان پیدا ہو گیا ہے۔ تضاد کی نوعیت یہ ہے کہ ایک طرف ملک کے عوام نے عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کے حق میں کثرت سے ووٹ دے کر اس امر کا واضح اعلان کر دیا ہے کہ وہ چھ نکاتی اور گیارہ نکاتی پروگرام اور سوشلزم کے حق میں ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ انہی بنیادی اصولوں کی اساس پر ملک کا آئین مرتب کیا جائے۔ اور جب نئے آئین کو قومی اسمبلی متفقہ طور پر یا کثرت آراء سے منظور کر لے تو مارشل لا فی الفور ختم ہو جائے اور مرکز اور صوبوں میں نئے آئین کی بنیاد پر نمائندہ حکومتیں عنان اقتدار سنبھالیں لیکن دوسری طرف عوام کے منتخب نمائندوں اور ان کی قومی اسمبلی کے سروں پر صدر کے آئینی ڈھانچہ کے حکم کی تلوار لٹک رہی ہے۔ اس حکم کے ذریعہ یہ اعلان کیا گیا ہے کہ قومی اسمبلی کا مرتب کردہ آئین اس وقت تک نافذ نہیں ہوگا جب تک کہ وہ صدر یحییٰ کے تجویز کردہ "آئینی ڈھانچہ کے حکم" کی دفعات کے مطابق نہ ہو اور جب تک صدر یحییٰ آئین پر اپنی منظوری کے دستخط ثبت نہ کر دیں۔ حکم نامہ میں اس کی بھی صراحت کی گئی ہے کہ اگر صدر یحییٰ

عوام نے چھ نکات، گیارہ نکات اور سوشلزم کے حق میں فیصلہ دیا ہے

نے قوم کے منتخب نمائندوں کے آئین کو منظور نہ کیا تو قومی اسمبلی توڑ دی جائے گی - اور کچھ عرصہ کے بعد ازسرنو انتخابات کرائے جائیں گے۔

آپ نے ملاحظہ کیا کہ کتنا سنگین تضاد ہے جو ایک طرف عوام کے منتخب نمائندوں اور ان کی قومی اسمبلی اور دوسری طرف صدر یحییٰ کے آئینی ڈھانچہ کے حکم میں موجود ہے۔ کیونکہ اس حکم میں یہ بات بالصراحت کہہ دی گئی ہے کہ صدر یحییٰ صرف اس وقت عوام کے منتخب نمائندوں کے مرتب کردہ آئین کو منظور کریں گے جب وہ "نظریہ پاکستان اور ملکی سالمیت کے مطابق ہو۔" اور ظاہر ہے کہ یہ فیصلہ خود صدر فرمائیں گے۔ کہ آیا جس آئین کو عوام کے نمائندوں نے منظور کیا ہے وہ نظریہ پاکستان اور ملکی سالمیت کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے یا نہیں۔

دوسرے الفاظ میں آئینی ڈھانچہ کے حکم میں صرف ایک واحد شخص کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ یہ طے کرے کہ کون سی چیز نظریہ پاکستان اور ملکی سالمیت کے مطابق ہے اور کون سی اس کے خلاف۔ جمہوریت کے تسلیم شدہ اصولوں کے مطابق یہ صورت حال نہ صرف انتہائی غیر جمہوری، بلکہ پُرخطر بھی ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ ایک شخص واحد کو ملک کے کروڑوں عوام کے منتخب نمائندوں کے مقابل کھڑا کر دیا گیا ہے۔ اور نہایت بے دردی سے گویا عوام کو یہ بتایا گیا ہے کہ "میاں! تم اور تمہارے منتخب نمائندے کس شمار و قطار میں ہیں۔ اصل طاقت کا سرچشمہ وہ شخص واحد ہے جس کے ہاتھ میں آئینی ڈھانچہ کے حکم کا پروانہ ہے۔ وہی یہ فیصلہ کرے گا کہ کیا چیز ملک و قوم کے مفاد میں ہے اور کیا نہیں۔"

تسلیم کہ [illegible] کان بھی موجود ہے کہ صدر محترم اس آئین کی منظ[illegible] قومی اسمبلی متفقہ طور پر یا کثرت آراء سے مرتب کرے - اور اس طرح کوئی بحران پیدا نہ ہو۔ لیکن آئینی ڈھانچہ کے حکم کے ذریعہ جو قطعی اور آخری اختیار صدر محترم کو عطا کر دیا گیا ہے اس کے پیش نظر یہ اندیشہ ہمیشہ موجود رہے گا کہ ممکن ہے کہ قومی اسمبلی کا منظور کردہ آئین صدر کو منظور نہ ہو۔ اور وہ اپنا حق استرداد (ویٹو) استعمال کریں۔ جس سے یقینی طور پر ملک میں ایک ایسا سیاسی بحران پیدا ہوگا جس سے نمٹنا اتنا آسان نہ ہوگا جتنا کچھ لوگ تصور کرتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب گذشتہ مارچ میں آئینی ڈھانچہ کا حکم نافذ کیا گیا تھا تو بیشتر سیاسی جمہوری جماعتوں نے، جن میں عوامی لیگ، نیشنل عوامی پارٹی (بھاشانی اور ولی گروپ دونوں) اور پیپلز پارٹی کے سربراہوں نے اس پر شدید نکتہ چینی کی تھی۔ اور اسے قومی اسمبلی کے اقتدار اعلیٰ پر حملہ قرار دیا تھا۔ بلکہ میرا حافظہ اگر غلطی نہیں کرتا تو کونسل مسلم لیگ کے سربراہ میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ نے بھی اس حکم پر سخت تنقید کی تھی اور اسے غیر جمہوری قرار دیا تھا۔ سیاسی جماعتوں میں صرف ایک جماعت ایسی تھی جس نے کھلم کھلا اور نہایت ڈھٹائی سے آئینی ڈھانچہ کے حکم کی تائید کی تھی۔ اور وہ تھی جماعت اسلامی۔ لیکن حالیہ انتخابات میں عوام نے اس کے خلاف فیصلہ دے کر یہ واضح کر دیا ہے کہ یہ جماعت قومی اور ملکی مفادات کی دشمن ہے اور اس لئے اس جماعت کی طرف سے آئینی ڈھانچہ کے حکم کی تائید کوئی معنی نہیں رکھتی۔

کسی فرد واحد کو عوام کے منتخب نمائندوں کا بنایا ہوا دستور مسترد کرنے کا حق نہیں سونپا جاسکتا

اس صورت حال میں جب بیشتر سیاسی جماعتوں نے اور بالخصوص عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی نے جن کے نمائندوں کو عوام نے بھاری اکثریت سے منتخب کیا ہے۔ صدر کے آئینی ڈھانچہ کے حکم کو محل نظر اور غیر جمہوری قرار دیا ہے تو صدر کے "ویٹو" کا جواز باقی نہیں رہتا۔ اس کا آئینی جواز صرف اس وقت تھا جب تک عوام نے انتخابات کے ذریعہ اپنی رائے کا اظہار نہیں کیا تھا۔ انتخابات کے بعد تمام طاقت اور تمام اختیارات عوام کے منتخب نمائندوں کو منتقل ہو چکے ہیں۔

اب اگر قومی اسمبلی خود کو مکمل طور پر خودمختار تصور کرے اور یہ سوچے کہ صدر محترم کو اسمبلی کے منظور کردہ آئین پر بلاتکلف صاد کر دینا چاہیئے تو یہ ایک جائز بات ہوگی۔ اور جمہوری تقاضوں کے عین مطابق ہوگی۔ کیونکہ یہ فیصلہ کرنا کہ کونسا آئین یا کونسی دفعہ نظریہ پاکستان اور ملکی سالمیت کے مطابق یا منافی ہے خود عوام اور ان کے منتخب نمائندوں کا حق ہے۔ اگر منتخب نمائندے غلطی کریں گے تو ان کے محاسبہ کے لئے عوام موجود ہیں۔ جو اصل طاقت کا سرچشمہ ہیں۔ وہ انتخابات کے ذریعہ یا عوامی اور انقلابی تحریک چلا کر انہیں مسند اقتدار سے ہٹا سکتے ہیں لیکن یہ اختیار یقینی طور پر کسی فرد واحد کو نہیں سونپا جا سکتا۔ خواہ وہ بظاہر کتنا ہی طاقتور کیوں نہ ہو

قومی اسمبلی کے ارکان کے سر پر "آئینی ڈھانچہ کے حکم" کی تلوار لٹک رہی ہے



یہاں اس ضمن میں دایئں بازو کے بعض عناصر کے اس مغالطہ کو بھی دور کر دینا ازبس ضروری ہے جسے وہ مقبوضہ اخبارات کے ذریعہ پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ مشرقی پاکستان کے ایک انگریزی اخبار "پاکستان آبزرور" کے راولپنڈی کے نامہ نگار نے اپنی ایک حالیہ خبر میں یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین مسٹر ذوالفقار علی بھٹو قومی اسمبلی کے اقتدار اعلےٰ کے قایل نہیں ہیں اور یہ کہ غالباً انہوں نے خفیہ طور پر صدر یحییٰ سے کوئی سمجھوتہ کر لیا ہے۔ اور وہ اب قومی اسمبلی میں شیخ مجیب الرحمٰن کی اکثریت کا تدارک صدر کے آئینی ڈھانچہ کے حکم کے ذریعہ کریں گے۔

یہ تاثر نہ صرف قرین قیاس نہیں بلکہ بدیہی طور پر غلط اور گمراہ کن بھی ہے۔ اس خبر میں ایک طرف بالواسطہ طور پر مسٹر بھٹو پر یہ الزام لگانے کی کوشش کی گئی ہے کہ انہوں نے عوام کے پس پشت فوج کے بعض عناصر اور صدر یحییٰ سے کوئی سمجھوتہ کر لیا ہے۔ اور دوسری طرف ان کے اور شیخ مجیب الرحمٰن کے درمیان عناد و مخالفت کے بیج بونے کی کوشش کی گئی ہے

یہاں یہ سوال اتنا اہم نہیں ہے کہ مسٹر بھٹو اور ان کی پیپلز پارٹی شیخ مجیب الرحمان کے چھ نکات اور طلبہ کے گیارہ نکات کے بارے میں جنہیں عوامی لیگ نے اپنا لیا ہے کیا سوچتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ صوبوں کو کس قدر داخلی خود مختاری دینے کے حق میں ہیں۔ یقینی طور پر مسٹر بھٹو اور ان کی پارٹی اس کا فیصلہ کرتے وقت نہ صرف مجموعی قومی مفادات کو بلکہ مشرقی پاکستان کے عوام کی رائے کو بھی جس کا اظہار انہوں نے انتخابات کے ذریعہ واضح طور پر کر دیا ہے، اپنے پیش نظر رکھیں گے۔ اور کسی ایسی آئینی تجویز یا فارمولے پر اصرار نہ کریں گے جو عوامی خواہشات کے منافی ہو۔

لیکن اصل سوال یہ ہے کہ کیا مسٹر بھٹو قومی اسمبلی میں آئین مرتب کرتے وقت آئینی ڈھانچہ کے حکم کو بطور ڈھال استعمال کریں جس کا تاثر آبزرور کے نامہ نگار نے دینے کی کوشش کی ہے ہماری ناچیز رائے میں مسٹر بھٹو یا ان کی پیپلز پارٹی سے جنہیں مغربی پاکستان کے عامتہ الناس کی تائید حاصل ہے یہ توقع نہیں کی جا سکتی۔

وجہ صاف ہے کہ دایئں بازو کے عناصر

> **عوام کو آئین کی باریکیوں سے اتنی دلچسپی نہیں، جتنی اس بات سے ہے کہ وہ کس حد تک سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور سامراج کے چنگل سے آزاد ہوتے ہیں۔**

اور جماعتوں نے خود مسٹر بھٹو اور ان کی پارٹی کے پروگرام اسلامی سوشلزم کو نظریۂ پاکستان اور ملکی سالمیت کے منافی قرار دیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود عوام نے اس کے حق میں رائے دے کر یہ ثابت کر دیا کہ یہ پروگرام کسی طرح بھی ملکی مفادات یا نظریہ پاکستان کے منافی نہیں ہے اس صورت میں کون ذی شعور اور دانش مند آدمی یہ توقع کر سکتا ہے کہ مسٹر بھٹو عوام کے بجائے کسی فرد واحد کو یہ حق دے سکتے ہیں کہ وہ ان کے پروگرام کو نظریہ پاکستان اور ملکی سالمیت کے منافی قرار دے یا اس پروگرام کے تحت جو آئین وہ مرتب کریں اسے وہ نظریہ پاکستان اور ملکی سالمیت کی ضد قرار دے کر رد کر دے۔

اسی اصول کا اطلاق شیخ مجیب اور ان کی پارٹی کے پروگرام چھ نکات اور گیارہ نکات پر بھی ہوتا ہے۔ مشرقی پاکستان کے عوام نے عوامی لیگ کے نمائندوں کو منتخب کر کے یقینی طور پر چھ نکات اور گیارہ نکات کے حق میں ووٹ دیا ہے۔ اگر وہ چھ نکات اور گیارہ نکات کو نظریہ پاکستان اور ملکی سالمیت کے منافی سمجھتے تو وہ عوامی لیگ کے ایک نمائندے کو بھی منتخب نہ کرتے۔ بنابریں کسی فرد واحد یا کسی دوسری سیاسی جماعت کو یہ حق نہیں پہونچتا کہ وہ چھ نکاتی اور گیارہ نکاتی پروگرام کی بنا پر مرتب کردہ کسی آئین کو نظریۂ پاکستان اور ملکی سالمیت کے منافی قرار دے کر رد کر دے۔

صحیح صورت یہ ہے کہ کسی جماعت یا فرد کو یہ حق تو ضرور پہونچتا ہے کہ وہ چھ نکاتی اور گیارہ نکاتی پروگرام یا علیٰ ہٰذا القیاس اسلامی سوشلزم کے پروگرام کو ہدف تنقید بنائے اور یہ کہے کہ جناب یہ دونوں پروگرام ملکی مفادات میں نہیں ہیں اور اگر آج نہیں تو کل عوام ہماری بات سمجھیں گے۔ لیکن اسے یہ حق یقیناً نہیں پہونچتا کہ وہ کسی ایک فرد کو یہ اختیار دے دے کہ وہ فیصلہ کرے کہ کونسی چیز ملکی مفاد میں ہے اور کونسی نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اور جو کچھ ہو یا نہ ہو انتخابات

باقی صفحہ ۴۲ پر

آج اپنا فیصلہ سُنا دیا عوام نے

فارغ بخاری

آمروں کو خاک میں ملا دیا عوام نے ۔ ڈولتے نظام کو مٹا دیا عوام نے
ٹھوکروں سے سنگِ رہ ہٹا دیا عوام نے
آج اپنا فیصلہ سُنا دیا عوام نے

غاصبوں کی سازشوں کو بے نقاب کر دیا ۔ قائدِ وطن کو آج کامیاب کر دیا
خار و خس کو سیل میں بہا دیا عوام نے
آج اپنا فیصلہ سنا دیا عوام نے

چیر کر صفیں وطن کا جاں نثار آگیا ۔ دُشمنوں کو کاٹ کر وہ ذوالفقار آگیا
جھُوٹے دیوتاؤں کو جھکا دیا عوام نے
آج اپنا فیصلہ سنا دیا عوام نے

رہزنوں سے پاک سرزمین کو پاک کر دیا ۔ سارے فیلسوف لیڈروں کو عاق کر دیا
سرکشوں کو مُنہ کے بل گرا دیا عوام نے
آج اپنا فیصلہ سنا دیا عوام نے

صبحِ نو کا مژدہ لے کے آفتاب آگیا ۔ انقلاب آگیا وہ انقلاب آگیا
جو کہا تھا کر کے وہ دکھا دیا عوام نے
آج اپنا فیصلہ سنا دیا عوام نے



شرارِ زندگی

قمر ہاشمی

محنت کا لباس ہے بدن پر
قطرے ہیں لہو کے ہر شکن پر

روٹی ہے تو کارِ زندگی ہے
روٹی ہی شرارِ زندگی ہے

تکیہ نہیں خود پہ گر خودی کیا
اسباب نہیں تو آدمی کیا

بے خانہ یہ زیست راہبہ ہے
انسان کا یقین شائبہ ہے

افلاس ہے کفر کا پڑوسی
کیا بھوک میں ہو گی سرفروشی

معصوم ہیں، بے ریا ہیں ہم لوگ
اس دَور کے انبیا ہیں ہم لوگ[1]

[1]: حدیث نبوی ؐ ہے کہ میری امت کے برگزیدہ لوگ انبیا تو نہیں، مگر انبیا جیسی صفات کے حامل ہوں گے

تاریخ کے اس فیصلہ کے بعد جماعت کا مستقبل طے ہو چکا ہے۔ یہ مستقبل تاریکیوں اور اندھیاریوں میں ٹھوکریں کھانے کا ہے

جناب سید محمد تقی ملک کے کہنہ مشق صحافی اور روزنامہ جنگ کراچی کے سابق ایڈیٹر ہیں۔ تقی صاحب نے جنگ کے لئے اپنی زندگی کا عزیز ترین حصہ وقف کر کے اسے پاکستان کا سب سے بڑا اخبار بنایا لیکن جماعت اسلامی نے ملک گیر سطح پر صحافیوں کو اخبارات سے نکلوانے کا جو منصوبہ تیار کیا تھا اس کی زد میں تقی صاحب آگئے اور جنگ کے مالکان نے ادارے کے ایک دیرینہ اور سب سے پرانے کارکن کی خدمات کو یکسر فراموش کر دیا۔ (ادارہ)

مودودی جماعت کو منظم سازش سے مقبول بنانے کی کوشش کی گئی

سید محمد تقی

انیسویں صدی کے نصف آخر میں سرسید نے مسلم ہندوستان کے لئے جو تجویز کی تھی۔ اسے رجعت پسندوں نے روکنے اور ابہام۔ توہم پسندی اور کٹھ ملائیت کے ذریعے ختم کرنے کی سعی کی۔ سرسید کامیاب تو ہو گئے مگر اس جدو جہد میں خود ان کی تحریک بھی کٹھ ملاؤں کے دباؤ سے اثر پذیر ہوئی اور ادھر رجعت پرست عناصر نے بھی جدید عہد سے لڑ کر اپنے اسلحہ بدل لیئے۔ سرسید عقلیت پسندی کے نقیب تھے یہ عقلیت پسندی قدیم معتزلہ تحریک کی صدائے باز گشت تھی۔ امید یہ تھی کہ عقلیت پسندی کی یہ تحریک آگے بڑھے گی اور مسلم ہندوستان ایک نئے ارتقاء پذیر دور سے روشناس ہو گا مگر سرسید، شبلی اور امیر علی کے علاوہ معتزلہ عقلیت پسندی کو کسی نے نہ اپنایا تاآنکہ بیسویں صدی کے چوتھے عشرے میں۔ ترقی پسند میدان میں آئے جو اپنے باغیانہ اور انقلابی مزاج کے ساتھ اسی عقلیت پسندانہ تحریک کی پیداوار اور ایک اعتبار سے مبلغ تھے۔

عقلیت نوازی اور ترقی پسندی کی اس تحریک کے مقابلے میں رجعت کیشی اور کٹھ ملائیت کی ایک تاریکی بداماں تحریک بھی تھی جو ساری مسلم تاریخ کو مسخ کر رہی تھی۔ اور بیسویں صدی کا مذاق اڑا کر تنگ نظری کی تبلیغ پہ مصر تھی عقل فروزی کے خلاف نت نئے حربے ڈھونڈے گئے۔ کند ذہنی اور تہی مغزی کے نئے نئے شاہکار پیش کئے گئے۔ تاریخ اسلام کے انسان دشمن اہل قلم کو اچھالا گیا اور عقل کی بے سرو سامانی کے قصیدے پڑھے گئے۔ تاآنکہ ساری ذہنی فضا کو غبار آلود اور تاریخ کے سارے خدوخال کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔

اسی مسخ تاریخ سے جماعت اسلامی کا ضمیر اٹھا ہے۔ جو بیسویں صدی کے پانچویں عشرے میں وجود میں آئی۔ اس جماعت کا پورا لٹریچر انسان دشمن نظریات۔ عقل کش اصولوں خطرناک، تنگ نظریوں اور کٹھ ملائیت کے جوازوں سے بھرا پڑا ہے۔ آل انڈیا مسلم لیگ کی تحریک مسلم ہندوستان کے روشن خیال طبقہ، وسطی کی تحریک تھی جو سرسید کے ہوشمندانہ نظریوں سے فیضان حاصل کرتی تھی۔ مسلم لیگ کی اس تحریک سے کٹھ ملاؤں کی اس جماعت کا تصادم بالکل قدرتی تھا۔ چنانچہ تحریک پاکستان کی تمام مدت میں جماعت اسلامی قائد اعظم اور مسلم قائدین کے خلاف صف آرا رہی۔

پاکستان روشن خیال مسلم طبقہ، وسطی نے بنایا تھا جو ایک خوشحال اور ترقی پذیر سماج کے قیام کا خواہشمند تھا۔ اسی لئے بانیٔ پاکستان نے قیام سے پہلے ہی اسلامی اشتراکیت کے قیام کو اپنی سرگرمیوں کا مقصود قرار دے لیا تھا لیکن پاکستان بن جانے کے بعد قوم تقسیم کی مشکلات سے دوچار تھی تو پاکستان دشمن عناصر نے جن کی قیادت جماعت اسلامی کر رہی تھی۔ جوابی انقلاب۔ لانے کی سعی شروع کر دی پاکستان کے پہلے وزیر اعظم خان لیاقت علی خاں کا سارا زمانہ' وزارت عظمیٰ جماعت اسلامی کی مخالفانہ سرگرمیوں کا مقابلہ کرنے میں گزر گیا تاآنکہ ایک مذہبی دیوانے سید اکبر نے جو جماعت اسلامی کا ہمدرد اور راولپنڈی کے جماعتی اخبار کا خاص قاری تھا۔ ملک کے محبوب رہنما اور پہلے وزیر اعظم کو شہید کر دیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ وزیر اعظم پاکستان خان لیاقت علی خاں جب امریکہ کے دورے پر گئے تو جماعت اسلامی کی پوری پروپیگنڈہ مشینری نے جو ان کے اور بیگم لیاقت علی خاں کے خلاف انتہائی افتراء پردازانہ کذب بیانیاں کر رہی تھی۔ یہ مضحکہ خیز الزام تراشا کہ لیاقت علی خان نے اپنے اس دورے میں ۲۵ لاکھ روپے صرف کئے ہیں چنانچہ مرحوم قائد ملت نے اپنی واپسی پر جہانگیر پارک کراچی کے ایک بہت بڑے جلسے میں تقریر کرتے ہوئے مودودی صاحب کے متعلق کہا کہ لاہور سے ایک جھوٹے مولانا داڑھی لگا کر آئے تھے جنہوں نے میرے اوپر یہ اتہام لگایا ہے کہ میں نے دورۂ امریکہ میں ۲۵ لاکھ روپے صرف کئے ہیں اس

ہر ترقی پسند اقدام کی مخالفت مودودی جماعت کا شعار ہے

جھوٹ پر مودودی کو شرم نہیں آتی۔

پاکستان کے پہلے وزیراعظم زمینداری اور جاگیرداری کی تنسیخ کا عزم رکھتے تھے جناب مسعود نے اپنی مشہور ہاری رپورٹ میں نظام زمینداری کی خرابیوں، کسانوں کی مظلومیت اور اسلامی نقطۂ نظر سے زمینداری کے ناجائز ہونے پر جو مضبوط اور مستحکم دلائل پیش کئے اس سے حکومت کی پالیسی پر بڑا خوشگوار اثر پڑا تھا اور یہ توقع بندھ گئی کہ اس ضمن میں مؤثر اقدامات عمل میں لائے جائیں گے لیکن اس مستحسن سعی کو جو اسلامی سوشلزم کی سمت میں ایک مفید پیشقدمی بن جاتی جماعت اسلامی نے سبوتاژ کیا اور زمینداری کے جواز میں، ہاکٹھ ملاؤں کے فتوے شائع کئے۔ یاد رہے ان میں سے بعض مولوی ان ۱۱۳ میں بھی شامل تھے جنھوں نے سوشلزم کے کفر کا فتویٰ دیا ہے۔

صدر ایوب کے عہد میں زمینداری کی نام نہاد تنسیخ کی گئی۔ ایوب صاحب کی مخالفت میں جماعت کی شرکت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ سابق صدر نے جاگیرداری و زمینداری کی تنسیخ کے لئے کیوں قدم اٹھایا تھا۔

جماعت اسلامی اب تک تین ادوار سے گزری ہے اس کا پہلا دور وہ تھا۔ جب وہ تحریک پاکستان کو ناکام بنانے کی جدوجہد کر رہی تھی۔ قیام پاکستان کے بعد یہ دور ختم ہو گیا۔ پھر آزادی کے بعد وہ دور آیا جس میں اس نے زمینداری و جاگیرداری کی حمایت کو اپنی کوششوں کا مقصود بنائے رکھا نیز مسلم لیگ کی حکومتوں کے ہر ترقی پسندانہ اقدام کی مخالفت کو اپنا شعار بنا لیا۔ پاکستان ایسے علاقوں میں بنا تھا۔ جہاں صنعتیں محض برائے نام تھیں۔ کئی سال کی انتھک مساعی کے بعد جب صنعتوں کا قیام عمل میں آ گیا۔ اور دولت مندوں کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آیا جو عوام کے استحصال پر زندہ تھا تو جماعت کی پوری پروپیگنڈہ مشینری سرمایہ داری اور سرمایہ داروں کی حمایت کے لئے وقف ہو گئی۔ پہلے زمینداری و جاگیرداری کو عین اسلام بتایا جاتا تھا۔ اب سرمایہ داری کو اسلام کی روح کے مطابق قرار دیا گیا۔ اور اس طرح جماعت کی سرگرمیوں کا یہ تیسرا دور بنا۔

جماعت اسلامی کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ رہی کہ وہ شروع سے ایک مخالف جماعت کا کردار انجام دیتی رہی۔ اس لئے اسے مظلوم بن کر لوگوں کو ہمدردی حاصل کرنے کے مواقع بھی ملتے رہے اس مظلومیت کے دور میں اس کا صحیح فاشیانہ کردار سامنے نہ آسکا بلکہ عام خیال یہ رہا کہ جماعت ایک نہایت پرامن سیاسی تحریک ہے جو تشدد اور ہیجان خیزی سے تعلق نہیں رکھتی۔ لیکن یہ دور جاگیرداری کی حمایت تک باقی رہا اور خود جاگیرداری مرتا ہوا نظام تھی جو حرکت سے محروم ہو چکا تھا مگر جونہی سرمایہ داری ابھری اور سرمایہ داری کے تحفظ کی ذمہ داری جماعت نے اٹھائی تو صورتحال میں انقلابی تبدیلی رونما ہو گئی چنانچہ جماعت کے امیر اور لیڈروں نے اپنا انداز بھی بدل ڈالا اور اپنے فاشی کردار کو پوری طرح ظاہر کر دیا سوشلزم کے خلاف تشددانہ سرگرمیاں، زبان گدی سے کھینچ لینے کا اعلان اور انڈونیشیا بنانے کی دھمکیاں اسی دور کی باتیں ہیں۔ اب یہ جماعت ملک کے استحصال پسندوں کی نمائندہ اور پناہ تھی سرمایہ داری نظام حرکت سے پیدا ہوا ہے وہ تشدد سے باقی رہتا اور خون خرابے کے ذریعے اپنی زندگی قائم رکھتا ہے۔ اس لئے امیر جماعت بھی تشدد اور خون خرابے کا ذکر کئے بغیر سرمایہ داری کے مخالفوں کا تذکرہ کبھی نہیں کرتے۔ یوں جماعت اسلامی کا ماضی عقل دشمنی، تحریک پاکستان کی مخالفت اور زمینداری و جاگیرداری کی حمایت کا ماضی رہا ہے۔ اور جماعت کا حال نظام سرمایہ داری کے تحفظ سے عبارت ہے۔ اپنے اس حال میں وہ ایک بھرپور فاشی تحریک کی طرح ابھری ہے جو قتل و غارت گری، انسان دشمنی اور تشدد کیشی کے علاوہ اور کسی چیز پر اعتقاد نہیں رکھتی۔

ایوب صاحب کے آمری نظام کے خلاف جو تحریک ابھری اس میں جماعت بھی اپنے رجعت پسندانہ مقاصد کے ساتھ شریک تھی۔ آمریت کے خلاف اس جنگ میں دوسری تمام پارٹیاں جمہوری مقاصد اور عوامی بہبود کے تصورات کے ساتھ شامل ہوئی تھیں لیکن یہ وہ واحد پارٹی تھی جو آمر ایوب کے عہد کے چند اچھے اقدامات سے ناراض ہو کر اس تحریک میں شامل ہوئی تھی یعنی اس تحریک میں بھی اس کا کردار منفی تھا۔ مثبت نہیں تھا۔ جبکہ دوسری تمام پارٹیاں کسی نہ کسی درجے میں مثبت مقاصد سامنے رکھ کر تحریک میں شامل ہوئی تھیں۔

سوشلزم کے خلاف جماعت اسلامی کا سارا دور اسی عہد میں پیدا ہوا ہے۔ ورنہ ایوب صاحب کے منشور میں بھی اسلامی اشتراکیت کا ذکر تھا اور محترمہ فاطمہ جناح کے منشور میں بھی اسلامی اشتراکیت کا وعدہ موجود تھا۔ مگر جماعت نے اس پر اعتراض کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی البتہ گزشتہ چند سال کے دوران جب سوشلزم کے نعرے کی مخالفت کی مالی قیمت وصول ہونے کے امکانات واضح ہوئے تو پھر جماعت کی ساری کوششیں سوشلزم کو گالیاں دینے اور سوشلسٹوں کا قتل عام کرانے

جماعت، مسلم ممالک کی دوسری رجعت پرست پارٹیوں کی طرح آہستہ آہستہ مر جائے گی۔

لیاقت علی خان کا قاتل جماعتی اخبار کا قاری تھا

کے منصوبے بنانے پر مرکوز ہوگئیں۔

یہ عہد ۷ دسمبر تک جاری رہا۔ ۷ دسمبر کو عام انتخابات میں جو تاریخ جمہوریت کے چند آزادانہ انتخابات میں شامل تھے۔ جماعت اسلامی کو عبرتناک شکست ہوئی اور اس منفی نعروں کو پاکستانی قوم نے پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ اس ۷ دسمبر سے جماعت کا مستقبل کا دور شروع ہوتا ہے مستقبل کا دور مایوسیوں اور نامرادیوں کا دور ہے۔ اس لئے کہ اب ارتقاء کے سارے راستے بند ہو کر رہ گئے ہیں۔ وہ تمام مراحل طے ہو چکے ہیں جن سے کوئی جماعت گزرا کرتی ہے۔ ہر تحریک اس وقت تک زندہ رہتی جب تک تاریخ اسکے حق میں کوئی فیصلہ نہ دے دے مسلم لیگ اس وقت تک زندہ رہی جب تک تاریخ نے اسکے حق میں فیصلہ نہ دے دیا۔ وہ پاکستان کے بنانے اور اسے مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے کھڑی ہوئی تھی۔ تاریخ نے لیگ کے اس مقصد کی صحت مان لی اور اس کے حق میں فیصلہ دے دیا۔ اس لئے وہ اپنی افادیت پوری کر کے مر گئی۔ جماعت اسلامی رجعت پرستی کی حمایت۔ تنگ نظری کے تحفظ۔ کٹھ ملائیت کے بقاء اور زمینداری، جاگیرداری و سرمایہ داری کے تحفظ کے لئے میدان میں اتری تھی۔ اس نے ان مقاصد کے حصول کے لئے اپنی ساری توانائیاں صرف کر دیں۔ تاریخ نے اسے تیس سال کی مہلت دی۔ جماعت کے ان مقاصد کے بارے میں بھی تاریخ کو ایک فیصلہ دینا تھا۔ یہ فیصلہ ۷ دسمبر ۷۰ء کو دے دیا گیا اور ان تمام مقاصد کو تاریخ کی عدالت نے مسترد کر دیا۔ جن کے لئے یہ جماعت میدان میں اتری تھی تاریخ کے اس فیصلے کے بعد جماعت کا مستقبل طے ہو چکا ہے یہ مستقبل تاریکیوں اور اندھاریوں میں ٹھوکریں کھانے کا ہے۔ دوسرے کئی ممالک میں جماعت جیسی پارٹیوں کا جو حشر ہوا وہ ہمارے سامنے ہے پاکستان میں بھی یہی کچھ ہونے والا ہے۔ اور جماعت اسلامی مسلم ممالک کی دوسری رجعت پرست پارٹیوں کی طرح آہستہ آہستہ مرکھپ جائے گی آنے والی تاریخ میں ایک دہشت پسند فاشی جماعت کی طرح مرکوز ہونے کے علاوہ اور کوئی پس منظر نہ چھوڑ سکے گی۔

یہ صحیح ہے کہ سرمایہ داری کے تحفظ کی ذمہ داری اور سوشلزم سے جنگ کرنے کا عزم ظاہر کر کے اس نے پاکستان کے ایک طاقتور ترین گروہ اور دنیا کی مضبوط ترین حکومتوں سے دوستی کا رشتہ مستحکم کر لیا ہے جس سے اسے محفوظ مادی

مودودی جماعت کی

پوری پراپیگنڈہ مشینری

نے لیاقت علی خان اور

ان کی بیگم کے خلاف

انتہائی افترا پردازانہ

کذب بیانیاں کیں

سہارا مل گیا ہے لیکن سرمایہ داروں کے بل پر چلنے والی تحریکیں صرف نمائشی اہمیت کی حامل رہ جاتی ہیں۔ ان کی عوامی اساس ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے جماعت کو اب تک جو تھوڑی بہت عوامی مدد حاصل تھی وہ بھی ختم ہو جائے گی اور وہ تھوڑے ہی عرصے بعد محض ایک کاغذی جماعت بن کر رہ جائے گی جس کا عوام سے کوئی رشتہ ہوگا نہ سیاسی زندگی میں کوئی وزن باقی رکھے گی۔

عام خیال ہے کہ ایک نسل تیس سال عمر رکھتی ہے تیس سال گزرنے پر پہلی نسل پیچھے ہٹ جاتی ہے اور دوسری اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ جماعتِ اسلامی نے بھی تیس سال گزار لئے ہیں اس لئے وہ ماضی بن چکی ہے اور نئی نسل جو سوشلزم کی نسل ہے نہ اس کی عقل دشمنی کو برداشت کر سکتی ہے نہ تنگ نظریوں کو نہ کٹھ ملائیت کو نہ استحصال کنندگان کی حمایت کو۔ بڑے زبردست تھے یہ تیس سال جس میں منظم کٹھ ملائیت ایک سنگین خطرہ بنی رہی مگر یہ دور گزر چکا ہے اور اب نئی نسل اطمینان کا سانس لے سکتی ہے۔

لیکن وہ لوگ جو سماجوں کی ذہنی، فکری اور روحانی ضرورتوں کو محسوس کرتے ہیں انہیں اس عقل دشمن لٹریچر کی خطرناک نوعیت کو نظر انداز نہ کرنا چاہیئے جو تنگ نظر عناصر نے پیدا کیا ہے اور جس کی جگہ ایک ہوشمندانہ، خرد افروز اور عقلیت نوازانہ ادب کا آنا ضروری ہے تاکہ پاکستانی قوم نئے تقاضوں کی روشنی میں اپنی نگری بنا سکے اور اپنے قومی دکھوں کا علاج ڈھونڈ سکیں۔ منفی ادب کس قدر خطرناک بن سکتا ہے اس کا اندازہ فاشی رجحانات اور تنگ نظری کے سنگین حملوں سے بہ آسانی لگایا جا سکتا ہے۔ ادب پر پابندی یا کتابوں کو ممنوع قرار دینے سے نہیں جو بذاتِ خود غیر جمہوری اور عقل دشمن رجحان ہے۔ پچھلے چند سال میں اس ملک کے جہل نوازوں کی کوششوں سے دو ہزار کتابیں ممنوع قرار دی جا چکی ہیں۔ یہ سب کارنامے جماعتِ اسلامی کی علم دشمن مساعی سے انجام پاتے ہیں۔ اس حرکت کا اختتام نئی حکومت کی ذمہ داری ہوگا جسے علم کے پھیلانے کی کوشش کرنا ہوگی تاکہ جہالت کی جو گھٹا ٹوپ اندھیاریاں جماعتِ اسلامی پھیلانے کی سعی کرتی رہی انہیں دور کیا جا سکے۔ اور پاکستان کو ایک ترقی پذیر خوشحال اور طاقتور معاشرہ بنانے کا خواب اپنی تعبیر حاصل کر سکے۔ جماعتِ اسلامی پاکستان کو تنگ نظری کے جہنم میں دھکیل دینے کی مجرمانہ کوشش کرتی رہی۔ یہ کوشش ناکام ہوگئی اور پاکستانی عوام نے فیصلہ دے دیا کہ وہ بیسویں صدی میں زندہ رہنے کا عزم رکھتے ہیں۔ اس فیصلے کو حقیقت بنانے کے لئے ایک جامع فکری ادبی تحریک شروع کرنے کی ضرورت ہے۔ جو عوامی فکر کو آزاد کر سکے اور سماجی شعور کو جلا دے سکے۔ اس طرح جہل و تنگ نظری، کٹھ ملائیت اور انسان دشمنی کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے اور پاکستان ایک ترقی پذیر خوشحال اور طاقتور قوم بننے میں کامیاب ہو سکتا ہے۔ ■

عوامی رہنما معراج محمد خان کی راولپنڈی میں ایک قابلِ اعتراض تقریر کے جرم میں گرفتاری' اس کے ب
ضمانت پر رہائی' پھر گرفتاری' فوجی عدالت میں باغی کے خلاف مقدمہ کی
تاریخوں کی اشاعت' سماعت کی تکمیل پر چھ سال قید با مشقت کی
سزا کا فیصلہ اور عام انتخابات کے بعد رہائی کی خبریں اخبارات
میں چھپ چکی ہیں۔ ہم ذیل میں پہلی بار اس تقریر کا
متن شائع کر رہے ہیں۔ تاکہ قارئین اس تقریر کو
پڑھ لیں جس کی بناء پر انہیں سزا سنائی گئی
جسے ملک کے اخبارات نے ابھی تک اپنے صفحات کی
زینت نہیں بنایا۔

تقریر کا متن درج ذیل ہے

افسوس کا مقام ہے
کہ ہمارے مقدس
وطن میں علم و حکمت
کی درسگاہوں
پر زر و جواہر
کے پہرے ہیں

"میں انتخابات'
نہیں لوں گا"
توقعات اور قیاس
خان کی خدمات
یا کسی اور نشس
کہتے ہیں "پیپلز
ہے جو عوام سے
صف آراء کریں
صلاحیت کا
میں بھی عوا
اور یہ اُسی
والوں کو احس
بنیادی رکن
نہیں برتے سک

آؤ عہد کریں کہ ہم بھارت سے بدلہ لیں گے

میرے بزرگو! میرے ساتھیو!! میرے ہموطنو!!!

مجھے اخبارات میں یہ خبر پڑھ کر شدید ترین صدمہ پہنچا کہ ترک عوام اور حکومت نے مشرقی پاکستان کے سیلاب زدگان کے لئے جو امداد ہوائی جہازوں کے ذریعے مشرقی پاکستان روانہ کی تھی اسے بھارتی توسیع پسند، درندہ صفت رجعت پرست حکومت نے تمام بین الاقوامی آداب و اخلاق اور قانون کو پس پشت ڈال کر اپنی سرحدوں اور فضاؤں سے گزرنے کی اجازت نہیں دی۔

راول دیس کے غیور لوگو!

آج بھارتی رجعت پرستوں کی یہ مجال اور ہمت ہو گئی ہے کہ اپنی طاقت کے نشہ میں ترک عوام اور پاکستانی عوام کا مذاق اڑائے اور ان کی قومی غیرت اور حمیت کو چیلنج کرے۔

میرے رفیقو! بھارتی درندوں نے ایک بار پھر تمہاری قومی غیرت کو للکارا ہے ——— وہ طاقت کے نشہ میں ۱۹۶۵ء کی عبرتناک شکست کو بھول گیا ہے۔ اٹھو! اور بھارتی رجعت پرستوں کی تمام طاقت کو ملیامیٹ کر کے انہیں بین الاقوامی آداب اور قانون کے احترام کا ایسا سبق دو کہ پھر کبھی انہیں پاکستان کا مذاق اڑانے اور تضحیک کرنے کی مجال نہ ہو ——— ہم پاکستان پیپلز پارٹی کے نوجوان اپنے عوام سے عہد کرتے ہیں کہ اگر ہندوستان اپنے ذلیل ہتھکنڈوں سے باز نہ آیا تو وہ دن دور نہیں جب ہم بھی اس غیر ملکی فوجی یا غیر فوجی امداد کو جو پاکستان کی سرحدوں یا فضاؤں سے ہو کر بھارت جاتی ہے کسی صورت بھی اپنے وطنِ عزیز سے گزرنے کی اجازت نہیں دیں گے چاہے اس کے لئے ہمیں اور ہماری غیور قیوم کو اپنے جان و مال کی کتنی بڑی قربانی ہی کیوں نہ پیش کرنی پڑے ——— پاکستان کے غیور لوگو ——— آپ کی اور ہماری غیرت کو کیا ہوا ہے؟ جنابِ صدر آپ کی غیرت کو کیا ہوا ہے؟ ——— آؤ آج مل جل کر ہم یہ عہد کریں کہ ہم بھارت سے اپنی تضحیک کا بدلہ لیں گے۔ بھارت توسیع پسند اور جارح ہے۔ بھارت کشمیری عوام کی آزادی اور حقِ خود ارادیت کا غاصب ہے، اس کے ہاتھ مسلمانانِ ہند کے خون سے رنگے ہوئے ہیں ——— لیکن بھارتی درندو! کان کھول کر سنو!! یہ عزیز بھٹی شہید کا مقدس وطن ہے ——— یہ شامی شہید کی متبرک سرزمین ہے ——— یہ میجر ضیاء الدین عباسی شہید کا دیس ہے۔ اور یہ بارہ کروڑ غیور اور بہادر عوام کا مسکن ہے۔ بھارتی رجعت پرستو! تم نے پاکستانی عوام اور ہماری مسلح افواج کی غیرت کو للکارا ہے ——— تیار ہو جاؤ ہم دشمن پر سوتے میں حملہ کرنے کے عادی نہیں ——— میں جناب یحییٰ خاں سے کہوں گا کہ وہ بھارتی جارحیت کے خلاف سخت سے سخت قدم اٹھائیں، یہ ان کا قومی فریضہ ہے کہ پاکستان کے ساتھ بھارتی تضحیک کا بدلہ لیں۔ اگر آپ نے بھارتی جارحیت کے خلاف کوئی فیصلہ کیا تو بارہ کروڑ پاکستانی عوام آپ کی آواز پر لبیک کہیں گے۔

بھارتی درندو! ہمارے عوام اور مسلح افواج نے ۱۹۶۵ء کی جنگ میں تم کو عبرتناک شکست دی تھی۔ اب تم نے پھر ہماری غیرت کو للکارا ہے۔ تیار ہو جاؤ! اے بھارتی رجعت پرستو! ہم تم سے اس تضحیک کا بدلہ لیں گے ——— سنو ——— ! اے بھارتی درندو!

لہو جو سرحد پہ بہہ رہا ہے، لہو جو سرحد پہ بہہ رہا تھا
ہم اس لہو کا حساب لیں گے، ہم اس لہو کا خراج لیں گے

میرے طالب علم ساتھیو!

آج جب ہم ۲۳ سال بعد اپنی یونیورسٹیوں، کالجوں اور درسگاہوں پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمارے سر شرم سے جھک جاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا جدید تعلیم، سائنس اور علم و ہنر کے بغیر ہم زندگی کی دوڑ میں دوسری قوموں کا مقابلہ کر سکتے ہیں؟ کیا ہم تعلیم کے بغیر حقیقی جمہوریت کی طرف ایک قدم بھی آگے بڑھا سکتے ہیں؟ کیا ہم علم کے بغیر تسخیرِ کائنات کے الہامی اور قرآنی حکم کو پورا کر سکتے ہیں اور کیا علم کے بغیر ہم اشرف المخلوقات کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہو سکتے ہیں؟ ——— یقیناً نہیں اور ہرگز نہیں ——— اسی لئے چودہ سو سال پیشتر ہمارے نبیؐ نے کہا تھا: "علم حاصل کرنا ہے تو چین جاؤ" ہم نے علم کی فضیلت کو نظر انداز کیا ——— یہاں تو درسگاہوں تک جانا اور داخلہ حاصل کرنا ہی گویا جوئے شیر لانا ہے ——— افسوس کا مقام ہے ہمارے مقدس وطن میں علم و حکمت کی درسگاہوں پر زر و جواہر کے پہرے ہیں۔ یہاں علم بھی دولت کے پیمانے پر تولا اور فروخت کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک کے ۸۵ فی صد مزدوروں کسانوں اور محنت کشوں کے بیٹے درسگاہوں میں نہیں جاتے ——— بوجھ اٹھاتے ہیں، کارخانوں میں کام کرتے

الیکشن نہیں لڑونگا

...ی ہوئے یا کوئی اور امیدوار کی حیثیت سے حصہ
...اج نے یہ الفاظ ادا کر کے ایک بار پھر ان عارضی
...شبوں کا سلسلہ ختم کر دیا ہے کہ معراج محمد
...ی نظر پاکستان پیپلز پارٹی انہیں ٹھٹھہ
...ے ضمنی انتخابات میں کھڑا کرے گی۔ معراج
...ی خواب پہلے سے زیادہ اُن کارکنوں کی ضرورت
...را بطہ رکھیں۔ انہیں غدا دوں کے خلاف
...نے پڑے تو عوام حساب کتاب چکانے کی
...رپور مظاہرہ کر سکیں۔ اسمبلیوں
...ی مرضی کے مطابق فیصلے ہونا چاہئیں
...ے میں ممکن ہے کہ اسمبلیوں کو جانے
...ر ہے کہ باہر والے بے خبر نہیں۔ میں
...ی اور اس بنیادی فرض کی ادائیگی سے غفلت

نظامِ کہنہ کے مفلوج فلسفہ داں ترقی پسند خیالات و نظریات کا مقابلہ نہیں کر سکتے

ہیں، سڑکوں پر بوٹ پالش کرتے ہیں۔ معصوم بچے وطن کی خوبصورت شاہراہوں کے کنارے کھڑے پیٹ کی آگ بجھانے کو رات گئے تک اخبارات فروخت کرتے ہیں۔ کیا یہ کسی آزاد قوم کا نظامِ تعلیم ہے؟ — نہیں یہ تو لارڈ میکالے کا نظامِ تعلیم ہے —— طبقاتی نظامِ تعلیم ہے۔ لوگو! آنکھیں کھول کر دیکھو!! اہلِ دولت نے درسگاہوں کو غریب اور امیر کی بنیاد پر تقسیم کر ڈالا ہے۔ ایک طرف سینٹ جوزف، سینٹ پیٹرک سینٹ ڈینس کی عظیم الشان عمارتیں ہیں جہاں صحتمند اور خوش پوش "بابا لوگ" بڑی بڑی چمکیلی گاڑیوں میں تشریف لاتے ہیں اور دوسری طرف درمیانہ طبقے کی بوسیدہ درسگاہیں، اسلامیہ اسکول اور کالج ہیں جہاں قرض زدہ اساتذہ اور طالب علم ہر وقت فیسوں کی ادائیگی اور تنخواہوں کے حصول کے لئے فکرمند نظر آتے ہیں۔

میرے ہم وطنو!

پیپلز پارٹی لارڈ میکالے کے اس طبقاتی نظام کو بدل ڈالے گی جو قوم کے نونہالوں کو سرمائے کی عینک سے دیکھتا اور انہیں طبقات میں تقسیم کرتا ہے — ہمارا آپ سے وعدہ ہے کہ جب عوامی حکومت برسرِ اقتدار آئے گی تو وہ ایسا نظامِ تعلیم رائج کرے گی کہ جہاں آدم جی، داؤد اور سہگل کے بیٹے تعلیم حاصل کریں وہیں مزدوروں اور کسانوں کے فرزند بھی تعلیم حاصل کر سکیں تاکہ نئی نسل میں قومی شعور اور اتحاد و اتفاق پیدا ہو —— لوگو! کیا یہ حقیقت نہیں کہ اس وقت ہمارے وطن کو ڈاکٹروں، انجینئروں، سائنسدانوں اور ہنرمند افراد کی شدید ترین ضرورت ہے تاکہ ہمارا ملک بھی خوشحالی اور ترقی کے راستہ پر گامزن ہو سکے۔ اسی لئے تو ہمارے عوام اور طالب علم مطالبہ کرتے ہیں کہ تعلیم کو عام کرو تاکہ یہ غیور قوم ایسے افراد کو پیدا کر سکے جو اپنے اندر اتنی صلاحیت رکھتے ہوں کہ ملک کی صنعتی، زرعی اور دفاعی ضروریات کو خود پورا کر سکیں اور ہمارے وطن کو جدید ترین اسلحہ اور مشینوں کے لئے بار بار امریکی سامراج کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ کب تک یہ غیور قوم دوسری قوموں اور ملکوں سے بھیک مانگتی رہے گی۔ اسی لئے تو ہم سب اور خصوصاً طالب علم برادری اپنی حکومتوں سے تعلیمی بجٹ میں اضافہ کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن ہم سے کہا جاتا ہے: "پاکستان بہت غریب ملک ہے اور ہمیں ملک کے تحفظ کے لئے دفاعی اخراجات پر بہت بڑی رقم خرچ کرنا پڑتی ہے۔ دفاع تعلیم سے زیادہ اہم ہے اس لئے ہم تعلیمی بجٹ میں بہت زیادہ اضافہ نہیں کر سکتے۔" کون کہتا ہے دفاع پر کم خرچ کرو۔ کسے انکار ہے کہ پاکستان ایک غریب ملک ہے۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کیا غریب ملکوں اور پسماندہ قوموں کا یہی طریقۂ کار ہے کہ قوم و ملک بھوک، افلاس، جہالت اور بے روزگاری میں مبتلا ہو اور کروڑوں روپیہ اسلام آباد کی تعمیر پر خرچ ہو، انٹرکانٹی نینٹل بنائے جائیں۔ کروڑوں روپیہ کا زرِ مبادلہ خرچ کر کے بڑی کاریں، غیر ملکی شراب اور تعیشات کی اشیاء منگوائی جائیں، ہم اگر غریب ہیں تو خدا کے واسطے اس فضول خرچی کو فوراً بند کرو۔ اس غریب اور پسماندہ قوم کو "انٹرکانٹی نینٹل" نہیں علم و حکمت کی درسگاہیں مطلوب ہیں، بڑی بڑی کاریں اور تعیشات کا سامان نہیں آرٹس ادب، سائنس، انجنیئرنگ اور فلسفہ کی کتابیں درکار ہیں۔

ہمارا دستور سامراج
دشمنی اور وطن
دوستی، سرمایہ دارانہ
اور جاگیردارانہ نظام
کی مخالفت اور محنت
کش عوام کی حمایت
پر قائم ہوگا

اسلام آباد کے خالقو! ہم تمہیں اسلام آباد کے حسن اور فنِ تعمیر پر مبارکباد پیش کرتے ہیں لیکن ہمیں دکھ ہے تو صرف اتنا کہ تم اگر تعلیم پر ذرا سا بھی توجہ دیتے تو یہ قوم ایسے افراد کو جنم دیتی جو پاکستان کے ہر شہر کو اسلام آباد میں بدل دیتے۔ ممکن ہے بعض افراد میری اس حق گوئی کو شکوہ اور تنقید سمجھ کر نظر انداز کر دیں، ممکن ہے معراج جیسے غریب آدمی کی زبان سے تمہیں یہ باتیں اچھی نہ معلوم ہوں۔ میں ایسے افراد کو حضرت علیؓ کا قول یاد دلاتا ہوں انہوں نے کہا تھا: "یہ مت دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے لوگو! یہ دیکھو کہ کیا کہہ رہا ہے۔"

میرے طالب علم ساتھیو!

میں پاکستان پیپلز پارٹی کی طرف سے آپ کے اس جلسۂ عام میں تقریر کرتے ہوئے موجودہ حکومت سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ تمام گرفتار شدہ طالب علموں کو رہا کر کے ایسے حالات پیدا کرے جس کے تحت وہ قومی تاریخ میں منعقد ہونے والے پہلے عام انتخابات میں اپنے خیالات کا اظہار کر سکیں اور حصہ لے سکیں۔ ہمارے طالب علموں نے ہر مشکل اور کٹھن حالات میں اپنے ملک کی آزادی، ترقی اور خوشحالی کے لئے عظیم الشان قربانیاں دی ہیں۔ یہی وہ طالب علم برادری تھی جس نے قائدِ اعظم کی قیادت میں قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں حصہ لیا تھا۔ یہی وہ طالب علم تھے جن کے ایک رفیق عبدالحمید نے جمہوریت کی بحالی اور ایوب آمریت کے ظلم و ستم کے خلاف جدوجہد کرتے ہوئے سب سے پہلے پنڈی کی شاہراہ پر اپنی جان کی قربانی پیش کی۔ کوئی اس حقیقت سے منکر نہیں ہو سکتا کہ ہمارے طالب علموں نے گزشتہ عوامی تحریک کے دوران جس سیاسی شعور، جذبہ حب الوطنی اور قوم پرستی کا بے مثال مظاہرہ کیا وہ پاکستان کی تاریخ میں سنہری الفاظ میں لکھا جائے گا۔ ہم طالب علموں کی قربانیوں کو کبھی نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اسی لئے ہماری پارٹی کا مطالبہ ہے کہ ۱۸ سال کی عمر میں نوجوانوں اور طالب علموں کو حق بالغ رائے دہی دیا جائے تاکہ وہ بھی قومی سیاست میں حصہ لے کر اپنے خیالات و جذبات کا اظہار کر سکیں

اصغر خان اور نور خان کے لئے تو
یہ غریب معراج محمد خان ہی کافی ہے



اگر محمد بن قاسم سترہ سال کی عمر میں سندھ فتح کر سکتا ہے اور اسلام بارہ سال کی عمر میں ہر مسلمان پر ارکانِ دین فرض کر سکتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ ہمارے طالب علم ۱۸ سال کی عمر میں قومی سیاست میں حصہ نہیں لے سکتے۔ ہم حکومتِ پاکستان سے کہتے ہیں کہ وہ ایسی تمام پابندیوں اور قوانین کو یک قلم منسوخ کر دے جو طالب علموں کو سیاست میں حصہ لینے سے روکتے ہیں۔ لوگو! اگر ہماری افواج کے ریٹائرڈ جنرل سیاست میں حصہ لے سکتے ہیں تو پھر طالب علموں کو بھی سیاست میں حصہ لینے کا حق ملنا چاہیئے۔

راول دیس کے محنت کشو!

ہم نے آزادی کی جستجو اور قیامِ پاکستان کی جدوجہد میں اپنا کیا کچھ قربان نہیں کیا۔ بیٹوں کے قتلِ عام پر ماؤں کے دلخراش نوحے سنے، مریم کی طرح پاکیزہ اور لاجونتی کی طرح نازک اور معصوم بہنوں اور بیٹیوں کو جن سنگھی فرقہ پرستوں اور غنڈوں کی تلواروں کے نیچے برہنہ دیکھا۔ ارضِ مقدس کی سرحدوں پر تن سے جدا وہ سر بھی دیکھے — بزرگوں کے سر — کہ آنکھیں شوقِ دیدارِ وطن میں وا تھیں ؎

ہم نے اس عشق میں کیا کھویا ہے کیا پایا ہے
جُز ترے اور کو سمجھاؤں تو سمجھا نہ سکیں

کون سا نذرانہ تھا جو اس بہادر قوم نے وطنِ عزیز کے قدموں پر نچھاور نہیں کیا۔ لیکن قوم کو اس کے عوض کیا ملا — صرف بھوک، افلاس، جہالت، بیروزگاری اور ناانصافی ؎

زندگی کیا کسی مفلس کی قبا ہے جس میں
ہر گھڑی درد کے پیوند لگا کرتے ہیں

ظالمو —! تم نے ۲۳ سال اس مظلوم قوم کا مذاق اڑایا۔ اور گزشتہ دس سال —! اس دس سالوں میں تو ایوب آمریت نے مادرِ وطن کی شیریانوں سے تو زندگی کا ایک ایک قطرہ تک نچوڑ لیا۔ قوم العطش، العطش پکار اٹھی، لیکن سرمایہ دارانہ وجاگیردارانہ نظام کے صحرا میں آب کہاں۔ سراب ہے صرف سراب — لوگو! — اس تاریک دور میں شعبہ ہائے زندگی کی ہر صورت مسخ اور گرد آلود ہوگی زندگی نے ایک اور کروٹ لی، قوم ایک بار پھر طوفان کی طرح اٹھی۔ مزدور جاگے، کسان اٹھے اور طالب علموں نے علمِ بغاوت بلند کیا اور اس موجِ بلاخیز کے ایک ہی تھپیڑے نے ایوب آمریت کے قلعہ کو پاش پاش کر دیا۔ ایوب آیا اور چلا گیا — ایک دور آیا اور گزر گیا۔ ایوب ایک فرد تھا قوم کا مقابلہ نہ کر سکا لیکن اپنے پیچھے بہت کچھ چھوڑ گیا اب بھی ہمارے معاشرہ کے ہر ستون پر اس کی گہری چھاپ ہے یوں لگتا ہے ہماری زندگی، سماج اور معاشرہ ایوب خان کا گھوما ہوا سر ہے — اگر آپ ایک خوشحال اور ترقی پسند معاشرہ قائم کرنا چاہتے ہیں جو ہر قسم کے ظلم وستم اور ناانصافی سے آزاد ہو تو اب آپ کو اس نظام کو بدلنا ہوگا۔ ہماری لڑائی کسی فرد کے خلاف نہیں۔ ہماری جنگ تو اس سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ نظام سے جس کے ضمیر میں لوٹ کھسوٹ اور استحصال ہے — اس لئے آئیے ہم سب مل کر مغرب کے اس اقتصادی اور سیاسی نظام کو نیست و نابود کر ڈالیں — لوگو! — جب ہم مغرب کے اقتصادی نظام کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں تو بہت سے سیاسی شعبدہ باز ہم پر تخریب پسندی کا الزام عاید کرتے ہیں — کہا جاتا ہے یہ اسلام کے منکر ہیں، اسلام کے خلاف ہیں، یہ پاکستان میں غیر ملکی نظریات کا پرچار کر رہے ہیں — ان کے خلاف جہاد کرو، ان کی زبانیں گدیوں سے کھینچ لو — یہ نظامِ کہنہ کے مفلوج فلسفہ دان جب سیاسی میدان میں ترقی پسند خیالات و نظریات کا مقابلہ نہیں کر سکتے — تو پھر موجودہ حکومت سے مطالبے اور درخواستیں کرتے ہیں کہ پیپلز پارٹی کے کارکنوں اور رہنماؤں کو مارشل لا کے قوانین کے تحت فوراً گرفتار کیا جائے کیونکہ ان سے پاکستان کی سلامتی کو خطرہ ہے۔ سنو! اے شکست خوردہ سیاستدانو!! ہم مارشل لا ریگولیشن نمبر ۶۰ وغیرہ سے نہیں ڈرتے ہیں یہ دفعات تو سیاسی غنڈوں اور وطن دشمنوں کے لئے عالم وجود میں آئی ہیں — ہم تو وطن پرستی، عوام دوستی اور ملک کی ترقی و خوشحالی کی بات کرتے ہیں — کیوں ڈریں ہم مارشل لا ریگولیشنز سے — کونسا گناہ کیا ہے ہماری پارٹی اور کارکنوں نے — مارشل لا ریگولیشنز سے وہ ڈریں جنھوں نے قائداعظم کو کافرِ اعظم کہا — جنھوں نے پاکستان اور نظریۂ پاکستان کی مخالفت کی تھی — جنھوں نے پاکستان کو ناپاکستان کہا تھا — جنھوں نے مارشل لاء کی موجودگی میں ہمارے خلاف کفر کے فتوے لگائے — جنھوں نے پاکستان کو انڈونیشیا بنانے کی دھمکیاں دیں — رجعت پرستو تم چاہے ہمارے راستہ میں کتنی ہی رکاوٹیں کیوں نہ کھڑی کرو ہم نے اپنے عوام سے وعدہ کیا ہے کہ ہم ملک سے ہر قسم کے سرمایہ دارانہ اور جاگیردارانہ ظلم وستم کا خاتمہ کر کے عوامی جمہوریت کا نظام رائج کریں گے ہم عزم کیا ہے کہ ہم موجودہ نظام حکومت کو بدل کر ہی دم لیں گے — ہم پاکستان میں ایک ایسا دستور بنائیں گے۔ جس کی بنیاد سرمایہ دارانہ جمہوریت کی بجائے عوامی جمہوریت پر ہوگی لوگو! — ہمارا دستور ۵۶ء اور ۶۲ء کے دستور سے قطعی مختلف ہوگا۔

باقی صفحہ ۴۲ پر



حسن ناصر

اعزاز احمد آذر

تُو نے دہقان کے دِل کی دھڑکن سُنی
تُو نے پُونچھا پسینہ ہے مزدُور کا
تیرے گھر میں اندھیرے رہے اور تُو
اُن کی خاطِر تلاشی رہا نُور کا

تُو اُجالے کی دِل میں تمنّا لئے
تیرہ و تار راہوں پہ چلتا رہا
اہلِ زر مہر و ماہ پہ بھی قابض رہے
روشنی کے لئے تُو بھٹکتا رہا

سامراجی خداؤں کے ایوان میں
زلزلہ آ گیا تیرے افکار سے
تیری تحریر نے سرنگوں کر دیئے
جو تراشے تھے نخوت نے مینار سے

لاکھوں فرعون زادوں نے چاہا کہ تو
ظلمتِ شب کو مہرِ درخشاں کہے
اُن کے ابرُو کی جُنبش کو پہچان کر
اُن کے ہر حکم پر بس "تو جی ہاں" کہے

تُو نے لیکن کسی شہ کی دہلیز پر
اپنے سر کو کسی طور خم نہ کیا
توڑ ڈالا پیالے کو ہی چھین کر
بن کے سُقراط تُو نے زہر نہ پیا

تیرے پاؤں میں زنجیر ڈالی گئی
تُو نے نغمہ کہا اُس کی جھنکار کو
تیرے ہونٹوں پہ مُہریں لگا دی گئیں
روک پایا نہ کوئی پہ گفتار کو

اِس المناک ظلمت کے طُوفان میں
تیرا دم روشنی کی کرن بن گیا
وہ لہُو جو قلم کی اَنی سے گرا
ایک مُردہ چمن کی پھبن بن گیا

جس صُبح کے لئے تُو لڑا رات سے
دیس کے در پہ دستک وہ دینے لگی
اے حسن اپنی ملّت کا "ناصر" ہے تُو
تیرا احسان بھولیں گے ہم نہ کبھی

پارلیمانی نظام میں ایک قلیل اقلیت کی حکمرانی ہوتی ہے

محنت کش عوام کا خون پسینہ اُن کے جامِ مے میں ٹپک کر اُسے لالہ گوں نہیں کرے گا۔ بلکہ اب مفاد پرستوں کو اپنا ہی خونِ جگر پینا ہو گا

سابق ایئر کموڈور ایم کے جنجوعہ

پاکستان کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک شخص ایک ووٹ کی بنا پر انتخابات مکمل ہو گئے اور نتائج سامنے آ گئے ہیں۔ مغربی طرز کے پارلیمانی نظام کی خاطر، البتہ مارشل لاء کے تحت، اظہارِ رائے کا جو حق دیا گیا اسے استعمال کرتے ہوئے پاکستان کے عوام نے اپنا فیصلہ دے دیا ہے۔ یہ فیصلہ دو ٹوک اور واضح ہے۔ باوجود اس کے کہ دونوں پارٹیوں کے پروگرام مختلف ہیں عوام کی بے پناہ اکثریت نے عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کے حق میں فیصلہ دیا ہے حقیقت میں انہوں نے ووٹ کے ذریعے یہ اعلان کیا ہے کہ وہ استحصالی طبقات سے نجات حاصل کرنے کے خواہش مند ہیں۔

ماضی میں پاکستان کے حکمرانوں نے جو غیر منصفانہ پالیسی اختیار کر رکھی تھی، بالآخر اس کے خلاف مشرقی پاکستان کے عوام کی جانب سے شدید ردّ عمل ناگزیر ہو گیا تھا اس لئے اس ردِ عمل کی بنا پر لیکن وقتی طور پر انہوں نے استحصالی طبقات اور مغربی پاکستان کو ہم معنی تصور کر لیا۔ یہ عارضی اور عبوری دور ہے جو بہت جلد گزر جائے گا اور وہ اپنے اصل دشمن کو پہچان جائیں گے یعنی وہ طبقے جو پاکستان کے محنت کش عوام کا استحصال کر رہے ہیں۔

انتخابات کے نتائج سے عیاں ہے کہ عوام نے ہر استحصالی طبقے کو ردّ کر دیا ہے۔ اور ان تک یہ واضح پیغام پہنچا دیا ہے کہ انہیں ان پر ہرگز اعتماد نہیں اور اب وہ ان طبقات کے فریب میں نہیں آئیں گے

ہمارے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ عوام نے فیصلہ کن کے حق میں دیا ہے کیونکہ اس سے ان پارٹیوں اور افراد کی شناخت ہوتی ہے جنہوں نے عوام کے شعور کو بیدار کرنے میں نمایاں حصہ لیا ہے۔ عوام کی خواہشات کے مطابق پروگرام پیش کئے ہیں اور اب عوام کو ان سے توقع ہے کہ وہ اپنے پیش کردہ پروگراموں کو عملی جامہ پہنائیں گے۔

لیکن اس سے کہیں زیادہ جس بات کو یاد رکھنا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ عوام نے کن کے خلاف فیصلہ کیا ہے کیونکہ ان پارٹیوں، جماعتوں اور افراد کو نہ تو ماضی میں عوام کے شدید مسائل سے کبھی دلچسپی تھی اور نہ ہی آئندہ کبھی ہو گی۔ عوام کے اپنے تلخ تجربات نے ان پر ثابت کر دیا ہے کہ استحصالی طبقات نے اپنے روایتی عیاری سے کام لے کر انہیں ہمیشہ فریب دیا۔ ان طبقات اور عوام کے مفادات میں آمنے سامنے کی ٹکر ہے اور استحصالی طبقات اپنے مفاد کی خاطر عوام کو اپنے آہنی شکنجے میں جکڑے رکھنے سے بھی گریز نہیں کرتے بلکہ اس ضمن میں ان کا ہر لمحہ عوام دشمن منصوبے بنانے میں گزرتا ہے ایک طرف عوام کے اپنے مصائب کے تجربات اور دوسری جانب باشعور اور عوام دوست نوجوانانِ پاکستان کے متواتر تحریری و تقریری مفاد دشمن پیغامات ایسی ملک گیر بیداری کا باعث بنے ہیں جس کے نتائج آج ہمارے سامنے ہیں۔ رجعت پسند، مفاد پرست اور سامراج نواز طبقے پسپا ہو کر حالات کا جائزہ لے رہے ہیں۔ ان تمام طبقات نے پروپیگنڈے کے لئے دولت پانی کی طرح بہائی۔ درجنوں اخبارات و جرائد شبانہ روز ان کے حق میں اور عوام دوست پارٹیوں کے خلاف چیختے چلاتے رہے اور اس دور کے بدترین سامراج نے کھلم کھلا ان کی پشت پناہی کی لیکن عوام نے انہیں ٹھکرا دیا کیونکہ اب ان کا شعور بیدار ہو چکا ہے۔

پاکستان کے عوام نے تقریباً تمام قدیم، دقیانوسی اور فرسودہ رسومات کو توڑ کر رکھ دیا ہے۔ ذہنی طور پر انہوں نے استحصالی زنجیروں کو توڑ دیا ہے جن ہاتھوں کے سینکڑوں صدیوں سے بوسے لینے پر مجبور رہے انہیں قلم کر دیا ہے۔ اب وقت آن پہنچا ہے کہ وہ عملی طور پر بھی ایسا کریں گے۔

وہ پاکستانی افواج کے "بارعب" اور رضاکارانہ ذہنیت کے حامل، ریٹائرڈ شدہ افسرانِ اعلیٰ سے مرعوب نہیں ہوتے۔ انہوں نے فرعون خصلت جابر و ظالم جاگیردار کا منہ چڑایا ہے اور "جس کھیت سے دہقان کو روزی میسر نہ ہو اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دینے کا" تہیہ کر لیا ہے۔ انہوں نے عیار سرمایہ دار کے مکر و فریب کے جال میں ناقابلِ مرمت شگاف پیدا کر دیئے ہیں۔ اور "کاخِ امراء کے در و دیوار ہلا دیئے ہیں۔" انہوں نے

اسلامی تعلیمات کے خود ساختہ اجارہ داروں کے مفاہیم کو رد کر دیا ہے۔ نام نہاد "گدی نشینوں" کے توا ہم کا بوجھ اتار پھینکا ہے اور جہالت کی تاریکی کو چھوڑ کر شعور و بیداری سے اپنے ذہنوں کو منور کر لیا ہے اور "پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دینے" کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔ آج پاکستان کے محنت کش عوام نے ان تمام مفاد پرست استحصالی اور سامراج نواز طبقوں کو غیر مبہم الفاظ میں آگاہ کر دیا ہے کہ سلطانیٔ جمہور کے زمانے کی آمد آمد ہے ہر نوع کے نقشِ کہن کو مٹا دیا جائے گا۔ محنت کش عوام کے لاکھوں بیٹے بیٹیوں کو عریاں رکھ کر ان طبقات کے افراد کے لئے زریں قبا مہیا نہیں کی جائے گی۔ محنت کش عوام کا خون اور لپسینہ ان کے جام مے میں ٹپک کر اسے لالہ گوں نہیں کرے گا۔ بلکہ اب مفاد پرستوں کو اپنا ہی خونِ جگر پینا ہو گا۔

پاکستان کے عوام نے ۷ دسمبر ۷۰ء کو بہ آواز بلند ان ارادوں کا اعلان کر دیا ہے۔ تاہم منزلِ مقصود تک پہنچنے کی راہ کٹھن ہے۔ شکستہ خوردہ مفاد پرست طبقات اپنے مفاد کے تحفظ میں اور اسے جاری رکھنے کے لئے ہزاروں جتن کریں گے۔ یہ عیاری، یہ فریب، یہ ظلم و تشدد سے کام لیں گے۔ ان طبقات نے ہمیشہ عوام پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے ہیں۔ اور آئندہ بھی جبر و تشدد استعمال کرنے سے گریز نہیں کرینگے۔

نیز جب تک کوئی نظام کسی نوع کے ذاتی مفاد کی اجازت دے گا تب تک اس نظام کے قوانین اس مفاد کے تحفظ کو اپنی ذمہ داریوں کی فہرست میں سب سے اوپر رکھیں گے۔ کیونکہ اس مفاد کے حصول کو بھی "شخصی آزادی" سے منسوب کیا جاتا ہے۔ عوام کے دیگر تمام حقوق پر اسے ترجیح دی جاتی ہے اس لئے عوام پر یہ حقیقت واضح ہونی چاہیئے کہ پارلیمانی نوعیت کے انتخابات میں وہ اپنی رائے کا اظہار تو ووٹ کے ذریعے کر سکتے ہیں اور نمائندوں کو منتخب بھی کر سکتے ہیں لیکن اس کے بعد آئین و قوانین کی تشکیل میں ان کا کوئی دخل نہیں۔ لہٰذا اگر نمائندے آئین میں ذاتی مفاد کو جائز رکھیں تو اس کے تحفظ کے لئے قوانین بنانا ناگزیر ہو جاتا ہے اور کیونکہ ذاتی مفاد ایک قلیل اقلیت کے لئے ہوتا ہے اس لئے قوانین کا عوام کے ارادوں اور حقوق کے خلاف ہونا ضروری ہے۔ جب اس نوعیت کا آئین نافذ ہو جائے تو اس کے خلاف از سرِ نو جدوجہد لازمی ہو جاتی ہے۔

ظاہر ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام میں انتخابات خود عوام کے مسائل حل کے لئے ہرگز کافی نہیں ہوتے۔ مخصوص حالات میں یہ عوامی جدوجہد کی ارتقاء کا ایک حصہ ہیں۔ ان کی اہمیت اس سے زیادہ نہیں ہے۔ جب تک نظام کی بنیادیں ذاتی مفاد پر استوار ہوں گی تب تک عوام استحصال سے نجات حاصل نہیں کر سکتے ان کی نجات صرف اور قطعی عوامی تنظیم کے ذریعے ہی ہو سکتی ہے۔ موجودہ حالات میں اول تو ان کی نظران نمائندوں پر گڑی رہنی چاہیئے۔ جن کو انہوں نے منتخب کیا ہے اور انہیں اپنے پیش کردہ پروگرام سے مُو بھر نہ ہٹنے دینا چاہیئے

حالانکہ اس پروگرام پر مکمل طور بھی عمل کیا گیا تو وہ صرف جزوی حل ہی ہو گا۔ نیز انہیں مکمل عوامی جمہوریت کے حصول کی خاطر اپنی مخصوص تنظیم کو مضبوط تر بنانے کی مہم جاری رکھنا ہو گا۔ اس ضمن میں ان کا استحصالی طبقات سے متصادم ہونا ناگزیر ہے۔ بظاہر وہ طبقے خونخوار معلوم ہوتے ہیں۔ ان کی عیاری و مکاری، ان کے وسائل، ان کی درندگی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ ان کی حقیقت کو پہچاننا اور اندازہ و جائزہ کرنا بہت ضروری ہے۔ وہ اپنے مفاد کی خاطر آخری دم تک لڑیں گے۔ لیکن عوامی تنظیم پر مبنی عوامی جدوجہد کے سامنے ان کی شکست آخر کار یقینی ہے۔ عوام کی مجموعی قوت کے آگے باقی تمام قوتیں ہیچ ہیں۔ اصولی طور پر اس کی قوت کی حقیقت ووٹ کے ذریعے ثابت ہو چکی ہے۔ عوام نے عموماً استحصالی طبقات کو ہٹا کر دوسروں کو لا کھڑا کیا ہے۔ جو ان کی دانست میں بہتر ہیں۔ اور جنہوں نے عوامی مسائل کے حل کے وعدے کئے ہیں۔ یہ عوام کی مجموعی قوت کا ایک اظہار ہے جو شاید ان کے چند مسائل کی شدت میں کمی کا باعث بنے۔ لیکن مکمل نجات مزید اور مخصوص جدوجہد سے ہی حاصل کی جا سکتی ہے اس مقصد سے ایک لمحہ بھر نظر ہٹانا یا غافل ہونا عوامی تحریک کی کمزوری کا باعث بنے گا۔ لہٰذا انتخابات کی فتوحات کو غفلت کا موجب نہ بننے دیا جائے۔ اور جس نوعیت کی تنظیم ضروری ہے اسے پوری مستعدی سے جاری رکھا جائے۔ ■

دل اگر مان جائے تو نشاط و نغمہ،
مچل جائے تو قوس قزح اور
بغاوت پر اُتر آئے تو
حسن ناصر

قاتلو حساب دو!

سہراب اسلم

آج قاتل کا نام ایک گالی ہے اور حسن ناصر ایک امر کہانی

محکمۂ ڈاک کا ۱۹ سالہ ڈیلیوری پیکر نثار احمد قریشی میو ہسپتال کے ریلی وارڈ میں زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسا۔ اس نے گزشتہ روز جنرل پوسٹ آفس لاہور کے سامنے اپنے کپڑوں پر پٹرول چھڑک کر خود کو آگ لگائی تھی۔ موقع پر موجود اس کے دیگر ساتھی ملازمین نے بمشکل آگ بجھا کر اسے شدید خطرناک حالت میں ہسپتال پہنچایا تھا۔ کچھ دن قبل چھانٹی کے بہانے نثار احمد قریشی اور اس کے کئی ساتھیوں کو ملازمت سے علیحدہ کرایا گیا تھا۔ وہ دوبارہ ملازمت کے حصول کے لئے کوشش کرتا رہا۔ مگر ہر بار نوکری کے عوض دو صد روپیہ رشوت طلب کیا گیا۔ جس کے خلاف بطورِ احتجاج اُس نے خود پر پٹرول ڈال کر آگ لگا لی۔ اور خودکشی کر لی۔ متوفی کا والد محکمۂ ڈاک میں پوسٹ مین ہے

اس قسم کی خبر یا حادثہ جہاں میں رہتا ہوں نئی نہیں ہے۔ ابھی چند روز ہوئے کراچی سے خبر ملی تھی کہ ایک غریب شہری نے پولیس کے تشدد سے تنگ آ کر خود کو نذرِ آتش کر لیا۔ اس خبر نے بھی اخبار کے کالموں میں اسی طرح جگہ پائی تھی۔ جس طرح آج کے سب اخباروں میں نثار احمد قریشی کی خبر نے پائی ہے۔ ایسی خبریں ملک کے اخبارات میں آئے دن شائع ہوتی رہتی ہیں ——— کہ نوزدین ——— نے ریل کی پٹڑی پر سر رکھ کر خود کو ہلاک کر لیا۔ جب ٹرین رکی تو متوفی کی جیب سے ایک رقعہ دو روپے کے میلے کچیلے نوٹ، چند آنے ایک رومال جس کے کونے پر "پروین" کا لفظ کشیدہ ہے۔

ملا ——— رقعے میں متوفی نے لکھا ہے کہ "وہ بے روزگاری سے تنگ آ کر خودکشی کر رہا ہے"

یا پھر ایک پڑھے لکھے نوجوان نے خواب آور گولیاں کھا کر خودکشی کر لی کہ اس کی محبوبہ کی شادی کسی اور جگہ کر دی گئی تھی ——— اس لئے کہ وہ محبوبہ کے باپ کے اس سوال کا جواب نہ دے سکا ——— "کام کیا کرتے ہو ———؟" یا پھر......کوئی ایک ہو تو گنوائے۔

ان خبروں کی زندگی بھی ایک دو دن ہوتی ہے۔ پھر یہ خبریں بھی مر جاتی ہیں۔ اور اخبارات کے وہ کالم جن کو ان خبروں سے پُر کیا گیا تھا کسی دوسری خودکشی کے انتظار میں۔ "رشوت لیتے ہوئے کانسٹیبل گرفتار کر لیا گیا" "تیز رفتار بس ایک بوڑھے کو کچل گئی" یا "چوری کے الزام میں ایک سال سزا" یا "نوسرباز عین موقع پر دھوکہ دہی کرتے ہوئے گرفتار کر لیا" وغیرہ! لیکن اخبارات کے لئے ضروری نہیں کہ اس قسم کی خبریں چھاپتے رہیں۔ ان ہی کالموں کو اگر اشتہارات مل جائیں تو "آپ کے من کی ہر مراد پوری ہوگی۔ کالے علم کے ماہر ۷۰ سالہ سنیاسی باوا...... کا اعلان" یا پوشیدہ امراض کے ماہر کا اشتہار "اس کے پڑھنے سے بہنوں کا بھلا ہوگا۔" یا آسان اقساط پر ریڈیو، سلائی مشین اور پنکھے خریدنے کے اشتہارات، اور کبھی کبھی ساتویں صفحہ کی ان خبروں میں کسی دوسرے درجے کے لیڈر یا اخبار کے مالک کے نظریات سے اختلاف رکھنے والی پارٹی کے راہنما کا بیان ——— "میری پارٹی ملک سے بے روزگاری ختم کر دے گی!" یا آپ کے شہر میں پہلی بار "دل دیکے دیکھو" رعایتی ٹکٹ پر ——— ! "ات خدا دا ویر" اٹھائیسواں شاندار ہفتہ۔!

نثار احمد قریشی کی خبر بھی کل کے اخبار میں نہیں ہوگی۔ اس قسم کی بہت سی دوسری خبروں کی طرح اس بے روزگار

بیوروکریسی کا ایک بیکار پرزہ مصطفٰے زیدی مرا تو خبریں اخبارات کی پیشانی بن گئیں

ڈاکیئے کی خبر بھی مر جائے گی۔ اس لئے کہ اخبارات میں یہ خبریں صرف اس لئے چھپتی ہیں کہ ان سے اخبار کے کالم پُر کیئے جائیں اور بس —— دنیا سے جاتے جاتے ایک غریب انسان دنیا کو کیا دے سکتا ہے لیکن اخبار کو تو خبر مِل سکتی ہے۔ ریل کی پٹڑی پر سر رکھنے والا نور دین، خواب کی گولیاں کھا کر موت کی تاریک وادی میں ہمیشہ کے لئے جانے والا اللہ دتہ اور پٹرول ڈال کر خود کو جھلس دینے والا نثار احمد قریشی اپنے لواحقین کو آنسوؤں اور اخبارات کو خبروں کے سوا کچھ بھی نہیں دیتا —— کچھ بھی تو نہیں دے سکتا......

اس کے برعکس سابقہ سی، ایس، پی افسر مصطفٰے زیدی کی "خودکشی" کی خبر کچھ دن اِدھر چھپنی شروع ہوئی تھی اور اس "افسرانہ خودکشی" کے ساتھ ایک مہ جبیں کا سنہری حاشیہ بھی لگا تھا۔

اس مہ رخ کا نام گل رخ اور شہناز سلیم بیان ہوا۔ زیدی ایک شاعر بھی تھا اور افسر بھی —— اگر صرف شاعر ہوتا تو خبر دوسرے دن مر جاتی۔ میرے سامنے شکیب جلالی کی موت ہے۔ لیکن بیوروکریسی کا ایک بے کار پرزہ مرا تو مرا ہاتھی سوا لاکھ کے مصداق مصطفٰے زیدی کی خبریں اخبارات کی پیشانی بن گئیں۔ اور شہناز کی موہنی تصاویر نے اخبار کی سرخیوں کو سُرخ تر کر دیا۔ اس پر زیدی کے اشعار نے اور بھی رنگ چڑھایا۔ خیال تھا کہ "یہ خودکشی" ہے مگر پولیس اور اخبارات نے انکشاف کیا کہ یہ قتل ہے۔ یہ الزام ہے استغاثہ کا ——

اور پسِ دیوارِ زنداں شہناز کی مسکراہٹ سے سونے جاگنے کے اوقات تک کی خبریں مسلسل اخبارات میں چلی آرہی ہیں۔ اخبارات کو اور کیا چاہیئے —— چند تصویرانِ بتاں اور چند حسینوں کے خطوط!

ایک غریب ڈاکیئے کے بے روزگار بیٹے کے جل مرنے اور ایک سی، ایس، پی افسر کے قتل یا خودکشی میں کچھ تو فرق ہونا چاہیئے حالانکہ اگر تحقیق کی جائے تو میرے نزدیک نثار احمد قریشی نے بھی خود کو ہلاک نہیں کیا، اسے بھی قتل کیا گیا ہے۔ لیکن نثار احمد قریشی کے قاتل کو کون پکڑے؟ اس کی ضرورت بھی کیا ہے۔ تحقیقات کا مطالبہ بھی کیوں کیا جائے —— اس کی موت کوئی دلچسپ بات نہیں —— اس قسم کی خبریں روز چھپتی ہیں۔ نور دین، اللہ دتہ، شکیب جلالی..... مرتے ہیں تو اس میں عجیب بات کیا ہے۔ مرتے دو انہیں —— ان کے زندہ رہنے میں کسے دلچسپی ہے۔ کوئی مہ رُخ کوئی شہناز گل ان کی منتظر نہیں ——

شہناز کی خبریں
مسلسل اخبارات میں
چلی آرہی ہیں
اخبارات کو اور
کیا چاہیے۔ چند تصویر بتاں
اور چند حسینوں کے خطوط!

اور نہ ہی ان کی موت یا زندگی سے ملکی سیاست یا نوکر شاہی کے سر بستہ راز وابستہ ہیں۔ ان کی خبریں انہی کی طرح گمنامی کے اندھیروں میں گم ہو جائیں گئیں! ان کا مدعی کون ہو —— ان کے قاتل سے حساب کون مانگے، ان کے خون بہا کا طالب کوئی کیوں ہو —— کہ یہ عام آدمی تھے —— جو نہ رہے —— ان کے رہنے اور نہ رہنے میں کوئی فرق نہیں۔ بالکل کوئی فرق نہیں! ہمارے ملک کا قانون دلچسپ ہے۔ خودکشی جرم نہیں ہے۔ ہاں خودکشی جرم نہیں ہے۔ کوئی عدالت خودکشی کے جرم میں سزا نہیں دے سکتی۔ البتہ خودکشی کی ناکام کوشش جرم ہے۔ یعنی یہ جرم ہے کہ ملزم مرا کیوں نہیں —— ایسی خودکشی کی کوشش کیوں کی جو نامکمل رہی —— نامکمل خودکشی قانون کی نظر میں قابلِ گرفت ہے اگر یہی اقدام تکمیل پا جائے تو —— استغاثہ اور پولیس آپ کو کچھ نہیں کہہ سکتی! زندہ بچنا جرم ہے۔ اس ملک میں! زندگی جرم ہے یہاں!!

لاہور کے شاہی قلعہ میں ایک سیل نمبر ۱۳ ہے۔ یہ قتل گاہِ حسن ناصر ہے، اس جگہ ۱۳ نومبر ۱۹۶۰ء کو ایوبی آمریت کے دلالوں نے انقلابی حسن ناصر سے افشائے راز کیلئے تشدد کیا۔ اِس تشدد کے نتیجہ میں حسن ناصر مر گیا۔ لیکن خون کے ان دھبوں کو مٹانے کے لئے جو ایوب شاہی پولیس کے دامن پر تھے خودکشی کا ڈرامہ رچایا گیا —— حسن ناصر کے گلے میں پھندا لٹکا کر اسے زنداں کی دیوار سے لٹکایا گیا۔ اور پھر کسی مزید تکلف کے بغیر اس کی نعش کو پولیس نے ٹھکانے لگا دیا —— چونکہ یہ ایک انقلابی کا قتل تھا۔ اس لئے اسے خودکشی بنانا ضروری سمجھا گیا۔ پھر حسن ناصر کے ایک ساتھی نے اس کے خون کا دعویٰ کیا۔ مگر قاتلوں کے ہاتھ شاید مدعی سے لمبے تھے —— مدعی قانون کے کٹہرے میں انصاف انصاف کہتا رہ گیا۔ مگر قاتل دندناتے رہے۔ اس لئے کہ ان کی پشت پر ایک قاتل کا ہاتھ تھا۔ جو ملک کا سب سے مضبوط ہاتھ تھا۔ جو ہر شخص کے پنجے کو مروڑنے کی طاقت رکھتا تھا۔ سو حسن ناصر کا قتل خودکشی بنا دیا گیا۔ لیکن کوشش کے باوجود حسن ناصر کے قاتل حسن ناصر کو نہ مار سکے۔ اخبارات کے کالم بھی اسے نہ مار سکے۔ اس لئے حسن ناصر نے خودکشی نہیں کی تھی اس نے جان دی تھی...... آج قاتل کا نام ایک گالی ہے۔ اور حسن ناصر ایک امر کہانی۔!

ہر سال ۱۳ نومبر کو ملک بھر میں حسن ناصر کے انقلابی ساتھی، اس کے چاہنے والے مزدور کسان۔ اس سے پیار کرنے والے طالب علم اور شہری اس کی یاد مناتے ہیں۔ اس کی یاد میں آنکھیں چھلک جاتی ہیں۔ دل کے دروازے وا ہوتے ہیں، عزم کی مشعلیں روشن ہوتی ہیں۔ اور ان

باقی صفحہ ۴۲ پر

سوشلزم آوے ہی آوے


معراج محمد خاں — طارق عزیز — سمیع عمر



ڈاکٹر شمیم سپاسنامہ پیش کر رہی ہیں



اب کے برس ہم گلشن والے اپنا حِصّہ پُورا لیں گے

تحریر: اشرف شاد

چھ مہینے

اور صرف چھ مہینے برچھی کے ذریعے ———

"برسراقتدار آنے والوں کو ہم مسائل حل کرنے کے لئے چھ ماہ کی مدت دیتے ہیں۔ اس کے بعد اطلس و کمخواب بننے والے ننگ دھڑنگ مزدور اور گندم اگانے والے فاقہ کش ہاری کے مسائل حل کرنے کی ایک ہی راہ ہوگی ——— برچھی اور صرف برچھی ——— جدوجہد اور صرف جدوجہد۔"

یہ معراج محمد خاں کی آواز تھی جو کراچی میں بہت عرصے پر گونجی۔ اس کے ساتھ ہی طارق عزیز نے للکارا ——— "ہم کسی اور شخص کے پیچھے نہیں عوام کے ساتھ ہیں۔ اگر کسی نے عوام کو چھوڑا تو ہم اسے چھوڑ دیں گے۔ کسی نے اپنے منشور سے ہٹنے کی کوشش کی تو ہم اسے ہٹا دیں گے۔" زین الدین خان کی گونج سنائی دی "سوشلزم کے نام پر بڑے بڑے بت گرانے والو سامراجی ایجنٹوں کے خلاف آخری جنگ کے لئے اٹھو۔ مزدور کسان اپنی متاع جاں لئے تمہارے ساتھ لڑیں گے۔" ڈاکٹر شمیم نے تنبیہ کی ——— "سرمایہ دارو! قینچیں بڑھا کر عوامی راج کی راہ میں حائل ہونے کی سازش نہ کرو۔ ہم بزور طاقت تمہاری سازش کو تہس نہس کر دیں گے ———"

سمیع عمر بھی پکارا "برسراقتدار آنے والوں نے عوام سے غداری کی تو عوام کے ہاتھ ان کے گریبانوں تک پہنچ جائیں گے۔" اور شہریار مرزا بھی گرجا "مزدور اور طلباء رہا نہ ہوئے تو ایک نئی تحریک اٹھے گی اور سامراجیوں کو ٹھکانے لگا دے گی۔"

یہ آوازیں آرام باغ میں گونجی تھیں جہاں لاکھوں کا مجمع اپنے ان رہنماؤں کو جلوس کی شکل میں لے کر پہنچا تھا۔ جنہوں نے پورا انتخابی دور زنداں کی چہار دیواری میں گزارا تھا ——— معراج محمد خاں ——— طارق عزیز ——— جنہوں نے کسی محدود اسمبلیوں میں جانے کے بجائے عوامی اسمبلیوں میں رہنا پسند کیا۔ اور اس جرم میں جیلیں جن کا مقدر

کے ای ایس سی نے جلوس کو ناکام بنانے کے لئے اسٹریٹ لائٹیں بند کردیں

بنیں ۔ جو انقلاب کی راہوں پر مشعل بنے ہیگا رہے ہیں ۔ جو اس پوری نئی نسل کی قیادت کر رہے ہیں جنکا نعرہ انقلاب ہے —— جو مزدور کسان راج کو قائم کرنے کے لئے جدوجہد کے ہر خارزار سے گزرنے کے لئے تیار ہیں ۔ جو مزدوروں ، کسانوں ، متوسط طبقے کے مفلوک الحال انسانوں اور دوسرے ستم رسیدہ طبقے کے دلوں کی دھڑکن بنے ہوئے ہیں —— کراچی سے سندھ پنجاب اور سرحد —— ہر جگہ ان کا نام جدوجہد کی علامت بن گیا ہے ۔——

کینٹ اسٹیشن کے پورے پلیٹ فارم پر اسٹیشن کی عمارت میں ، عمارت سے باہر سڑک پر اور سڑک سے منسلکہ تمام راہوں پر —— طالب علموں ، لیاری کے جیالوں ، کراچی کے مزدور اور مظلوم شہریوں کی متعدد ٹولیاں ہاتھوں میں بینر اور پرچم اٹھائے نعرہ زن تھیں —— جئے معراج ، جئے طارق ، جئے رشید ۔ رشید حسن خاں کو رہا کرو —— سرخ ہے ، سرخ ہے ایشیا سرخ ہے ۔ سنگرام ، سنگرام چولیے چولیے —— مصلحت یا جدوجہد ۔ جدوجہد ، جدوجہد —— جئے بھٹو کی صدائیں بھی ہر ٹکڑی کا مشترکہ نعرہ تھیں ۔ اور جھک گئی گردن ، لوٹ گیے بازو —— ہائے ترازو —— ہائے ترازو —— الفتح کا دیا ہوا یہ نعرہ بھی استقبال کے لئے آنے والوں کا مقبول ترین نعرہ تھا ۔

شاہین جسے تین بجے آنا تھا ½ ۴ بجے آئی ۔ اس وقت تک صرف ریل کی اس پٹڑی کے علاوہ جس پر گاڑی آنے والی تھی ہر طرف لوگ ہی لوگ تھے گاڑی آئی تو لوگوں کا سیلاب گاڑی کے ڈبوں پر چڑھ دوڑا ۔ ایک ریلے نے معراج ، طارق اور راولپنڈی این ایس ایف کے سمیع عمر کو اپنے کاندھوں پر اتارا پھولوں سے ان کا پورا سراپا ڈھانک دیا —— پورے اسٹیشن پر نعروں کی ایسی آوازیں گونجیں کہ ریلوے کے انجن سیٹیاں دینی بھول گئے ۔ تینوں رہنما کاندھوں کاندھوں پر ہوتے ایک جیپ تک پہنچے ۔ لیکن وہ بہت سے کاندھوں کا بوجھ برداشت نہ کر سکی اور پچک گئی تو ٹرک تینوں رہنماؤں کی منزل بنا ۔ ڈاکٹر تسنیم زین الدین ان کے ساتھ تھیں ۔ اور نعروں کا ایک سیلاب ان کی آواز کے ساتھ بہہ رہا تھا جلوس شروع ہوا تو سب کے سب سائیکل سوار تھے ۔ پھر اسکوٹر اور گاڑیاں تھیں بیچ میں ٹرک تھے اور آگے پیچھے ، دائیں بائیں دور تک سروں کی فصیل تھی ۔

یہ کارواں پونے پانچ بجے جس انقلابی جوش و خروش کے ساتھ چلا تھا تمام راستے اسی جوش و جذبے کے ساتھ صدر ، پرلس روڈ ، فریر روڈ اور بندر روڈ کی سڑکوں پر بڑھتا رہا ۔ جلوس تقریباً چھ بجے صدر پہنچا تھا ۔ اس وقت ملگجا ملگجا سا اندھیرا پھیل گیا تھا ۔ پورا صدر اور فریر روڈ سڑک کنارے ہر کری کی اسٹریٹ لائٹوں سے جگمگا رہا تھا لیکن جس وقت جلوس صدر پہنچا تمام اسٹریٹ لائٹیں بند کر دی گئیں ۔ پورے صدر ، فریر روڈ اور پرنس روڈ پر مکمل طور پر بلیک آؤٹ رہا ۔ جلوس بندر روڈ پہنچا تو یہی حادثہ یہاں بھی پیش آیا ۔ تمام لائٹیں بجھا دی گئیں ۔ لیکن جلوس جدوجہد کی مشعلیں لئے اسی انقلابی جوش سے جاری رہا ۔ پرنس روڈ پر جسے یاروں نے کبھی کراچی کے اچھرہ شریف کا نام دیا تھا ، جلوس پہنچا تو اس کی یہ کیفیت تھی کہ اگلا سرا آرام باغ کے لگے چوراہے پر تھا جبکہ دوسرا سرا فریر روڈ کے چوراہے پر ۔

کے ای ایس سی نے جلوس کو ناکام بنانے کے لئے لائٹیں بند کرنے کا جو حربہ استعمال کیا تھا وہ پٹ گیا ۔ لیکن ارباب اختیار کو یہ دعوت ضرور دے گیا کہ سیاسی مقاصد کے لئے کے ای ایس سی کو استعمال کرنے والوں کے احتساب کی بھی کوئی منزل ہے یا نہیں ۔ پی آئی اے کے بعد جماعت اسلامی کے قبضے میں جانے کے بعد کراچی الیکٹرک کارپوریشن کو جماعت اسلامی کے انتخابی مقاصد کے لئے اعلانیہ طور پر استعمال کیا گیا ۔ الیکشن سے پہلے اس کی اونچی گاڑیاں جماعت کے بینر باندھنے کے کام میں آئیں ۔ انتخابات کے دن ناظم آباد کی بجلی اڑوا کر وہاں محمود اعظم فاروقی کو جتانے کا کام بھی اسی کے ذریعے ہوا ۔ اور اب انتخابات کے بعد عوام دوست رہنماؤں کے بڑے بڑے جلسوں کو سبوتاژ کرنے کے لئے شہر میں اندھیرا کرنے کا فریضہ بھی اسی نے انجام دیا ۔ ایک سرکاری کارپوریشن جب جماعت اسلامی کی نام نہاد ٹریڈ یونین اور ایک نام نہاد

جیل سے رہا ہونے والے سیاسی رہنما (دائیں سے بائیں) معراج محمد خان، سمیع عمر، طارق عزیز

۱۹۷۰ء سنہ بغاوتوں کا سال ہے

رہنما کی شکل میں جماعتی غنڈوں کے ہاتھوں میں کھیلنے لگے تو پردۂ غیب سے اس سے بہت کچھ زیادہ ظہور میں آنے کی توقع کی جانی چاہیئیں۔ اس سلسلے میں ارباب اختیار کی "مجبوریاں" بھی بجا ہیں۔ لیکن عوام نے آج تک خود کو مجبور نہیں پایا۔ ان کا ریلا جس روز بھی بہہ نکلا ان اداروں کے سامراج پسندوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائے گا۔

آرام باغ تک جب جلوس پہنچا تو آٹھ بج چکے تھے۔ کینٹ اسٹیشن سے آرام باغ تک کا یہ سفر تقریباً ۲½ گھنٹوں میں طے ہوا۔ جلوس جس وقت آرام باغ کے جگمگاتے ہوئے میدان میں پہنچا ہے تو وہاں پہلے سے لوگوں کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ پورے آرام باغ میں اور اس کے باہر کی فٹ پاتھوں پر بے تحاشا لوگ تھے۔ جو بیٹھ سکے وہ بیٹھ گئے باقی لوگوں نے کھڑا ہونے کی جگہ پانے کو بھی غنیمت جانا —— آرام باغ کی مسجد میں اس وقت عشاء کی نماز ہو رہی تھی۔ جلسہ کی کارروائی بھی اس وقت تک رکی رہی۔ ۸½ بجے کے قریب ڈاکٹر شمیم زین الدین نے جلسہ کی کارروائی شروع کی۔

آرام باغ میں معراج محمد خاں کی آواز بہت عرصے بعد گونجی تھی۔ کراچی سے وہ پنجاب اور سرحد کے جس سفر پر روانہ ہوئے تھے اس کے ایک موڑ پر انہیں زنداں کی کوٹھری میں کچھ دیر رکنا پڑا تھا۔ اور اس کے بعد وہ اپنا بنا سفر شروع کر کے پھر کراچی پہنچے تھے۔ جہاں ان کی غیر موجودگی میں بھی ان کی یہ بازگشت سنائی دیتی رہی تھی۔ جدوجہد اور صرف جدوجہد —— آرام باغ میں

معراج محمد خاں کی تقریر تاریخی تھی۔ اس میں انھوں نے مغربی پاکستان کے انقلابیوں کی جانب سے ایک لائحۂ عمل کا اعلان کیا —— کہ چھ مہینے اور صرف چھ مہینے —— ہم انتخابات کے ذریعے مسائل حل کرنے والوں کو صرف چھ مہینے دیتے ہیں اور اس کے بعد —— جدوجہد اور صرف جدوجہد ——

معراج محمد خاں نے کہا "۱۹۷۰ء بغاوتوں کا سال ہے۔ یہ بغاوت پہ شروع ہوا اور بغاوت پر ختم ہوگا۔ اس برس ہم نے بڑے بڑے لات و منات کو گرایا ہے۔ میں پنڈی گیا تھا کہ وہاں ایک خان بھٹو کو چیلنج کر رہا تھا۔ اصغر خاں نعرے لگا رہا تھا۔ میں دارالحکومت میں یہ پیغام لے کر گیا کہ بھٹو کو چیلنج نہ کرو —— تم نے خان نہیں دیکھے ہیں۔ خان وہ ہوتے ہیں جو تلوار لے کر مزدور کی حفاظت کریں۔ جو اپنی جان قربان کرنے کا حوصلہ رکھیں۔ جو ملک کے خلاف سازش نہ کریں"۔ انہوں نے اصغر خاں اور نور خاں کو مخاطب کر کے کہا کہ یاد رکھو تمہارے لئے ایک معراج محمد خاں کافی ہے۔ معراج محمد خاں کراچی سے پنڈی تک اپنے سفر کی داستان سنا رہے تھے "ڈیرہ غازی خاں میں ہم پہنچے تو طارق عزیز کو وہاں کے ایک بڑے جاگیردار نے پیغام بھجوایا کہ یہاں مت آنا —— قتل کر دیئے جاؤ گے لیکن ہم نے اسے بتایا کہ تیرے مزارعے ہمارے ساتھ ہیں کسان ہمارے ساتھ ہیں۔ ہمیں کوئی نہیں —— قتل کر سکتا —— پنڈی پہنچے تو وہاں بھی یہ پیغام ملے کہ تم نے یہاں کے غنڈے نہیں دیکھے ہیں۔ لوٹ جاؤ —— ورنہ گردن کٹوا دی جائے گی۔ لیکن معراج آج بھی زندہ کھڑا ہے —— معراج کی گردن کٹ سکتی ہے جھک نہیں سکتی۔ میں نے یہ سبق یاد رکھا ہے اور کراچی کا نام کبھی نیچا نہیں ہونے دیا ہے"۔

معراج محمد خاں کی اس پوری تقریر کے دوران ایسی خاموشی تھی کہ پن گرنے کی آواز بھی سنائی دینے لگے۔ انہوں نے کہا کہ آج ہمیں یہ غور کرنا ہے یہ فیصلہ کرنا ہے کہ ہماری آئندہ راہ کیا ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ یہ ہمارا ملک ہے۔ لیکن یہاں ہماری ماؤں بہنوں کی عصمتیں فروخت ہوتی ہیں۔ مزدور راطلس د

سرمایہ داروں کو آخری شکست دینے کے لئے عوام پوری طرح تیار ہیں

کمخواب بنتا ہے۔ لیکن اس کے تن پر کپڑے نہیں ہوتے۔ وہ عید کو پھٹے ہوئے کپڑے پہنتا ہے۔ ظلم کی یہ صورت دیکھ کر زمین کا سینہ بھی شق ہوگیا ہے زمین ہماری ماں ہے اور وہ آج یہ چلا اٹھی ہے کہ ظلم اب ختم ہوجانا چاہیئے۔ اب کی برس —— ہم گلشن والے اپنا حصہ پورا لیں گے۔

انہوں نے کہا کہ مزدور کو آج اس کا حق ملنا چاہیئے۔ محنت کرنے والا اللہ کا ساتھی ہے۔ محنت عظیم ہے۔ لیکن محنت کرنے والا اللہ کا یہ ساتھی جیلوں میں آج کوڑے کھا رہا ہے —— کیوں؟ حکومت نے آج تک کسی دیلیکا، داؤد، کو کوڑے کیوں نہیں مارے۔ مزدور ہی کوڑے کیوں کھاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوڑے مارنے والے سرمایہ داروں کے دوست اور مزدوروں کے دشمن ہیں۔ لیکن مزدور دشمنوں —— عوام دشمنوں —— کو یہ دشمنی اب سستی نہیں پڑے گی۔ دیہات میں جاؤ تو وہاں زمینوں پر چھ ہزار زمینداروں اور جاگیرداروں کی حکمرانی ہے۔ لنگڑے گھوڑ دوڑ اور اندھے فضل اللہ کے زمینداروں کی خدائی۔ جہاں زمینوں کے سینے سے کسان گندم اگاتا ہے لیکن خود رات کو بھوکا سوتا ہے۔

معراج محمد خاں نے کہا کہ اٹھو اور مادر وطن کو ان ظالم خداؤں، سرمایہ داروں اور جاگیرداروں کے چنگل سے آزاد کراؤ۔ پرچی سے ہم نے صرف یہ ثابت کیا ہے کہ ہم سوشلزم چاہتے ہیں بات اس سے آگے نہیں بڑھی۔ یہ سوشلزم جسے سب چاہتے ہیں، پرچی سے نافذ نہیں ہوجائے گا۔ آگے بڑھیئے —— جدوجہد کے لئے آگے بڑھیئے۔ حق صرف جدوجہد کرکے ملے گا۔ میں نے کہہ دیا ہے کہ پرچی سے ہم نے حق مانگا ہے چھ ماہ کے اندر اندر یہ حق ہم کو نہیں ملا تو جلسے ہاتھوں میں جدوجہد کی مشعل ہوگی۔ مشرقی پاکستان کے عوام سے مخاطب ہوکر انہوں نے کہا کہ "اسے بانسریوں کے دیس کے رہنے والو تمہیں ۲۳ برس تک لوٹا گیا ہے۔ لیکن تمہیں داؤد۔ آدم جی، سہگل اور ٹوانوں دولتانوں نے لوٹا ہے۔ مغربی پاکستان کے عوام نے نہیں لوٹا۔ ہمارا پیغام ہے کہ تم ان داؤد، سہگل اور ٹوانوں کو ٹھیک کردو انہیں بھگا دو۔ یہ ہماری طرف بھاگ کر آئے تو ہم انہیں ماریں گے" —— انہوں

سوشلزم
پرچی سے
نافذ
نہیں ہوگا

نے کہا کہ سرمایہ داری کے خلاف جنگ میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے محنت کشوں کو ایک ساتھ لڑنا ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ سوشلزم وہ واحد نظریہ ہے کہ جو مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان استحکام برقرار رکھ سکتا ہے۔ انہوں نے رشید حسن خاں کو فوری طور پر رہا کرنے کا مطالبہ بھی کیا۔ اور کہا کہ رشید رہا نہ ہوا تو تحریک چلے گی اور معراج پھر جیل جائے گا۔

طارق عزیز نے اپنی بے حد جذباتی تقریر میں کہا کہ ہمیں ایک غیر ملک میں کھڑے ہوکر یہ کہہ کر ذلیل اور رسوا کیا گیا کہ یہ لوگ اخلاقی مجرم ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ یہ لوگ چور ہیں یا قاتل ہیں جنہیں عوام نے اتنا پیار دیا ہے۔ انہوں نے کہا ترس آتا ہے ایسی عدالت پر جس کے مجرم سے لوگ پیار کریں۔ شیر علی خاں کے بارے میں انہوں نے کہا کہ ۱۸ ستمبر کو اپنی تقریر پر جس پر مجھے گرفتار کیا گیا تھا میں نے یہی کہا تھا کہ شیرو —— ! میں طلوع ہو رہا ہوں تو غروب ہونے والا

طارق عزیز نے کہا "انگریزوں کا یہ پروردہ آج ہمارے درمیان نہیں ہے۔ اس موقع پر لوگوں نے پوچھا کہ اب کیا ارادے ہیں تو ایک کثیرالاشاعت اخبار نے جو پہلے اس کی بڑی بڑی تصویریں چھاپتا تھا۔ اب تلاش گمشدہ کے برابر کی جگہ میں یہ خبر چھاپی کہ شیر پنجرے سے باہر آگیا ہے ہم نے پیغام بھیجا کہ یہ شیر یا تو سرکس کا شیر بنے گا اور یا پھر گاندھی گارڈن کے کسی پنجرے کا شیر اور اگر یہ شیر سڑکوں پر آیا تو —— تلوار ——!"

انہوں نے کہا کہ اسلام کو ترازو میں تولنے والے اور خدا کے نام پر دوکان سجانے والے اب نظر نہیں آتے۔ ریڈیو۔ ٹیلی ویژن اور اخبارات کے سہارے کے باوجود حرف غلط کی طرح مٹ گئے ہیں۔ عوام نے سوشلزم کے حق میں اپنا فیصلہ دے دیا ہے۔ پیپلز پارٹی اپنا منشور دے چکی ہے جو سوشلزم پر مبنی ہے۔ عوامی لیگ کے منشور کا ایک حصہ بھی سوشلزم کی بات کرتا ہے۔ عوام کی طرف سے ہم دونوں جماعتوں کو وارننگ دیتے ہیں کہ کسی نے اپنے منشور سے ہٹنے کی کوشش کی تو ہم اسے ہٹا دیں گے۔ سوشلزم لانے کا وعدہ کرنے والے اگر اپنے وعدہ سے ہٹے تو ہم غالب کے طرفدار نہیں رہیں گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ یہ ایک مرحلہ تھا جس میں سرمایہ دار شکست کھا گیا ہے —— لیکن وہ اسے آسانی سے تسلیم نہ کرے گا —— ہمیں اسے ایک آخری شکست دینی ہے۔

قومی مزدور محاذ کے کنوینر زین الدین خاں لودھی نے کہا کہ نظام کو بدلنے کے لئے سنگینوں اور زنداں کے سایوں سے گزرنا پڑتا ہے ہم ان لوگوں کا خیر مقدم کرتے ہیں جو اس ۹۵ فیصد آبادی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں جو کوئی جا

باقی صفحہ ۴۱ پر



جدوجہد کا ایک مرحلہ مکمل ہوگیا

طارق عزیز سے ایک ملاقات

وہاب صدیقی

"سُن نواب زادہ شیر علی خاں! برطانوی سامراج کے پروردہ ریاست پٹوڈی کے نواب! میں طلوع ہو رہا ہوں اور تو غروب ہو رہا ہے۔ ع

میرے ہاتھ میں علم ہے میرے ذہن میں اجالا
مجھے کیا ڈرا سکے گا کوئی ظلمتوں کا پالا
مجھے فکرِ امنِ عالم تجھے اپنی ذات کا غم
میں طلوع ہو رہا ہوں تو غروب ہونے والا

طارق عزیز کے ان الفاظ میں کتنی صداقت تھی۔ کتنی سچائی تھی یہ پیشین گوئی اس وقت کی تھی۔ جب حق گوئی جرم تھی، مزدوروں، کسانوں کی باتیں کرنے والے باغی کہلاتے تھے، طلبہ، عوام اور محنت کشوں کے ہمدردوں پر انتشار اور نقضِ امنِ عامہ کا الزام لگایا جاتا تھا، استحصالی طبقوں کو آئینہ دکھانے والے مجرم شمار ہوتے تھے ——— اخلاقی مجرم، طارق عزیز کو اسی حق گوئی کے پاداش میں ایک سال قید سخت کی سزا دی گئی۔ لیکن جب ۷، دسمبر کو عوام نے بڑے بڑے سیاست دانوں، بادشاہ گروں، اسلام پسندوں، فتویٰ فروشوں، جاگیرداروں، سرمایہ داروں اور سامراجی ایجنٹوں کو قومی انتخابات میں ناک آؤٹ کردیا۔ نواب زادہ شیر علی خاں، جو پاکستان میں انڈونیشیا کی تاریخ دہرانا چاہتا تھا اور پاک دیس میں کسی سوہارتو یا شاہ حسین کا متلاشی تھا، غروب ہوگیا باطل فنا ہوگیا اور حق آگیا، طارق عزیز ایسا آفتاب بن گیا جو کبھی گرہن نہیں ہوتا بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اس کی روشنی بڑھتی ہی رہتی ہے۔

سیاسی قیدیوں کی رہائی کی خبر آتے ہی سیاسی حلقوں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ معراج محمد خاں اور طارق عزیز ضمنی انتخابات لڑیں گے۔ طارق عزیز! اس کی تردید کرتے ہوئے مجھے بتایا کہ "ہر سیاسی جماعت جو زندہ رہنا چاہتی ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کا عوام سے مسلسل رابطہ قائم رہے، تاکہ عوام کے رجحانات، خیالات و نظریات اور ان کے مصائب سے آگاہ رہے اور عوامی رجحانات کے مطابق اپنی پالیسیاں مرتب کرے۔ جس جماعت کے تمام ارکان اسمبلی میں چلے جاتے ہیں یا مسندِ اقتدار سنبھال لیتے ہیں، اس جماعت کا حشر مسلم لیگ جیسا ہوتا ہے۔ چنانچہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اسمبلی سے باہر رہ کر عوام میں کام کروں گا۔ کیوں کہ

شیر علی خان پر مارشل لاء کے تحت مقدمہ چلایا جائے

پاکستان پیپلز پارٹی کی جیت کے بعد استحصالی طبقے سازشوں اور مکروہ حربوں سے اپنی حیثیت بحال کرنے کی کوشش کریں گے۔ اسی لئے میں نے چیرمین پیپلز پارٹی سے درخواست کی تھی کہ مجھے اسمبلی سے باہر رہ کر خود انتخابی فوج منظم کرنے کی اجازت دی جائے جناب بھٹو نے میری بات مان لی ہے۔"

میرے ایک سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ "میں نے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز ۲۳ مارچ ۱۹۷۰ء کو ٹوبہ ٹیک سنگھ کی کسان کانفرنس سے کیا تھا۔ کانفرنس میں دو لاکھ کسانوں کا اجتماع تھا۔ ۲۳ دسمبر جب میں نے آرام باغ میں خطاب کیا تب بھی اتنے سامعین تھے، یہ میری سیاسی زندگی کا پہلا مرحلہ تھا۔ اس مختصر عرصے کی عوامی اور سیاسی زندگی نے جو تجربات دیئے ہیں ان کا نچوڑ یہ ہے کہ عوام خلوص اور جذبے کی قدر کرتے ہیں۔ نواب زادہ شیر علی خاں نے مجھ پر ٹیلی ویژن کے دروازے بند کئے۔ حکومت نے قید و بند کی آزمائش میں ڈالا۔ اخلاقی مجرم کا نام دیا۔ لیکن دیس کے محنت کشوں، طلبہ اور عوام نے مجھے دل میں جگہ دی۔ ع

ترس آتا ہے اس عدالت پر
جس کے مجرم سے لوگ پیار کریں

الیکشن پر تبصرہ کرتے ہوئے طارق عزیز نے کہا کہ الیکشن مقصد نہیں، بلکہ الیکشن جدوجہد کا ایک مرحلہ تھا۔ اس میں عوام دوست طاقتوں کو کام کرنے اور ابھرنے کا موقع ملا۔ وہ متحد ہوئیں ان کے برعکس عوام دشمن رجعت پسند اور اسلام پسند طاقتوں میں خلاف اور انتشار رہا۔ سرمایہ دار، سرمایہ دار سے، جاگیر دار، جاگیر دار سے، وڈیرہ، وڈیرے سے پیر، پیر سے ٹکرایا۔ نتیجۃً وہ کمزور پڑ گئے ہیں۔ لیکن یہ استحصالی عناصر اپنی شکست آسانی سے قبول نہیں کریں گے۔ انتخابات کے فوراً بعد نرخوں میں اضافہ ہو گیا ہے۔ بازار حصص میں حصص کی قیمت دن بدن گرتی جا رہی ہے۔ اسلام پسند لوگوں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ بھٹو کی حکومت آ گئی ہے۔ اس لئے تم مکان اور دکان کا کرایہ نہ دو۔ کسانوں سے کہتے ہیں کہ تم بٹائی اور مالیہ نہ دو، ان سب اقدامات کا مقصد مغربی پاکستان میں پاکستان پیپلز پارٹی کے خلاف نفرت پھیلانا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ نئی حکومت آئے تو ٹھپ ہو جائے۔ نرخوں میں ایک،



وہ ایسا آفتاب

بن گیا ہے جو کبھی

گرہن نہیں ہوتا

دو فیصد اضافہ تو صنعت کار اور تاجر خود کر دیتے ہیں، لیکن ۲۵ فی صد اضافہ ایک منظم سازش کے بغیر ممکن نہیں، حکومت نے اس سلسلہ میں کوئی قدم نہیں اٹھایا۔ تو وہ بھی ایک فریق بن جائے گی۔ کیونکہ کابینہ میں ملک کے ۲۲ خاندانوں کا ایک فرد محمود ہارون، رسوائے زمانہ مزدور دشمن ڈاکٹر مالک، صنعت کاروں کا نمائندہ قزلباش، خوانین اور جاگیر داروں کے ہمدرد سردار رشید موجود ہیں، صدر یحییٰ کی غیر جانب داری کے لئے قیمتوں میں اضافہ ایک کڑی آزمائش ہے۔ ان کا فرض ہے کہ عوامی نمائندوں کو اقتدار منتقل ہونے تک نرخوں میں اضافہ نہ ہونے دیں۔ مارشل لاء کے کسی ضابطہ کے تحت وہ آسانی سے قیمتوں کو کنٹرول کر سکتے ہیں۔ اگر گرانی اسی رفتار سے بڑھتی گئی تو عوام اپنے آٹے کا خالی کنستر بھرنے کے لئے، تن ڈھانپنے کے لئے اور سر چھپانے کے لئے چوری بھی کریں گے۔ ڈکیتی اور قتل بھی۔ گوداموں کو لوٹنا شروع کر دیں یا جلا دیں گے۔ یہ نوبت آنے سے پہلے بہتر ہے کہ صدر یحییٰ عوامی جماعتوں کا ساتھ دیں۔ اور محمود ہارون، ڈاکٹر مالک، قزلباش اور سردار رشید کو اپنی کابینہ سے برخاست کر دیں۔

میرے ایک سوال کے جواب میں طارق عزیز نے بتایا کہ انتخابات کے بعد ان کا کام ختم نہیں ہوا۔ اصل کام کا اب وقت آیا ہے۔ وہ مسلسل عوام سے رابطہ رکھیں گے۔ اگر اسمبلی کے ارکان نے عوامی خواہشات کے برعکس کام کیا۔ یا سوشلزم کی راہ میں دیوار کھڑی کرنا چاہی تو عوام کی مدد سے ان کا محاسبہ کریں گے۔ طارق عزیز سوشلزم چاہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر عوام کے منتخب نمائندوں نے عوامی خواہشات کے مطابق آئین کے ذریعے سوشلزم رائج نہیں کیا تو پھر بھی کے ذریعے سوشلزم لایا جائے گا۔ ویسے طارق عزیز تاریخ کے طالب علم ہونے کی وجہ سے اچھی طرح جانتے ہیں کہ سوشلزم پرچی سے نہیں جدوجہد سے آتا ہے۔

یہ جدوجہد اسمبلی میں نہیں، بلکہ یہ جدوجہد کارخانوں میں، ملوں میں، کھیتوں میں، کھلیانوں میں درس گاہوں میں، سڑکوں پر، کوچوں، گلیوں اور بازاروں میں کی جاتی ہے۔

طارق عزیز سے ان کے "کرم فرما" نواب زادہ شیر علی خان کے استعفیٰ کا ذکر کیا۔ تو وہ بولے کہ "نوابزادہ نے "شیر پنجرے سے باہر آ گیا ہے۔" کہہ کر مارشل لاء حکومت کی بے عزتی ہے۔ اس حکومت کی جس نے تقریباً ڈیڑھ سال اسے تنخواہ دی اور قلم دان وزارت اطلاعات و قومی امور اسے سونپا مارشل لاء حکومت کی بے عزتی کے جس الزام میں مجھے قید کیا گیا تھا۔ اسی ضابطہ کے تحت شیر علی

خان کو بھی سزا دی جائے۔"

ایام اسیری کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ جیل جانے کا یہ پہلا موقع تھا۔ وہاں کی دنیا بھی نرالی ہے۔ جیل میں انسان کو انسان نہیں سمجھا جاتا۔ احساس آدمیت کو کچلنے کے لئے اس کی توہین اور بے عزتی کی جاتی ہے ہتک آمیز سلوک کیا جاتا ہے۔ قیدی کا حلیہ ہی بگاڑ دیا جاتا ہے۔ چھ فٹ کے آدمی کو تین فٹ کے آدمی کا لباس دیا جاتا ہے۔ قیدیوں سے جتنی محنت لی جاتی ہے اتنی غذا نہیں ملتی۔ کھانے میں گھی کا ذکر تو کیا، نمک، مرچ، ہلدی اور پیاز تک نہیں ہوتی۔ سالن اتنا بدشکل اور بے مزہ ہوتا ہے کہ اسے کھانے اور ہضم کرنا انسان کے بس کی بات نہیں، یہی وجہ ہے کہ بی کلاس میں ہونے کے باوجود طارق عزیز کا وزن ۲½ ماہ میں بارہ پونڈ کم ہو گیا طارق عزیز کا دعویٰ ہے کہ ۸۰ فیصد قیدی ٹی۔بی کے شکار ہیں اور اتنے ہی پیچش کے مریض ہیں۔ لیکن انہیں طبی سہولتیں نہیں دی جاتیں۔

دوران گفتگو طارق عزیز نے یہ انکشاف کیا کہ ہر جیل میں کم از کم چار من چرس اور چار من افیون ضرور ملے گی۔ جیل کے حکام قیدیوں سے شبو کرنے کا سامان تک لے لیتے ہیں۔ لیکن تقریباً ہر قیدی کے پاس چرس کے سگریٹ ضرور ملیں گے۔ جیل کے بدعنوان اور رشوت خور حکام اپنی آمدنی میں اضافہ کرنے کے لئے چرس اور افیون کی تجارت کرتے ہیں۔ یہ چیزیں آسانی سے دستیاب ہو جاتی ہیں۔ اس لئے جو لوگ پہلے ان کے عادی نہیں ہوتے انہیں جیل میں اس کی لت پڑ جاتی ہے۔

طارق عزیز نے بتایا کہ جس جیل میں سیاسی قیدی ہوتے ہیں وہاں حکام اپنی من مانی کم کر دیتے ہیں اور اخلاقی قیدیوں پر ناجائز ظلم و تشدد نہیں کرتے۔ اس لئے اخلاقی قیدی دعا کرتے رہتے ہیں کہ کوئی سیاسی قیدی جیل میں ضرور رہے۔

قیدیوں کا سیاسی شعور بہت بیدار ہو چکا ہے۔ وہ اپنے دشمنوں کو پہچان چکے ہیں، جب ۸ دسمبر کو مسٹر بھٹو کی کامیابی کا اعلان ہوا تو قیدیوں نے جشن مسرت منایا۔ حالانکہ انہیں احساس تھا کہ مسٹر بھٹو ان کی سزائیں معاف نہیں کریں گے۔ انہیں اپنی سزا کی مدت پوری کرنی ہوگی۔ وہ صرف اس بات پر خوش تھے کہ بڑی جیل کے باسیوں کا استحصال نہیں ہوگا اور جیل کے بدعنوان جابر اور ظالم حکام کا احتساب کیا جائے گا۔

دوران اسیری عید بھی آئی تھی۔ طارق عزیز کا کہنا ہے کہ عید کی نماز کا منظر بہت ایمان افروز تھا۔ امامت مولانا عبدالحق ربانی نے کی، امام بھی قیدی تھا۔ اس معاشرے کا باغی اور عوام کو حقوق دلانے کی جدوجہد کرنے کا مجرم، نمازی بھی اس معاشرے کے ٹھکرائے ہوئے فرد تھے ان میں چور بھی تھے، قاتل بھی، جیب کترے بھی، اور وہ بے گناہ بھی جن کو اپنے حقوق مانگنے کی وجہ سے جاگیرداروں اور سرمایہ داروں نے کسی جھوٹے مقدمے میں ملوث کر کے قید کروا دیا تھا، طارق عزیز نے بتایا کہ جیل کے حکام نے نماز کے لئے کوئی انتظام نہیں کیا تھا۔ عصا تھا اور نہ منبر جس سے سنت نبوی پوری ہوتی۔ مولانا ربانی نے درخت کی ایک سوکھی ٹہنی توڑ کر اسے عصا کے طور پر استعمال کیا۔

طارق عزیز نے کہا کہ "اس دن مجھے دوست احباب بہت یاد آئے۔ بار بار خیال آتا تھا کہ اس سال عیدی کون دے گا۔ ایک سیاسی قیدی مسٹر جونیجو کے ساتھ جیل کی تمام بیرکوں کا چکر لگایا تو واپسی پر ہم دونوں کے ہاتھ عیدی سے بھرے ہوئے تھے۔ عیدی نے مجھے کافی کا ایک ٹین دیا تھا۔"

رات کافی بیت چکی تھی۔ طارق عزیز بھی تھکن محسوس کر رہے تھے۔ میں نے اجازت چاہی۔

●

طارق عزیز اور لیلیٰ خالد کی شادی؟





"میرے لیے جیل میں سب سے زیادہ افسوسناک خبر لیلیٰ خالد کی شادی کی تھی۔ اس کا پس منظر کیا ہے اور میں کیا چاہتا تھا لیلیٰ کی شادی کے بعد اس خواہش کا اعادہ ضروری نہیں۔ تاہم میں نے جب کبھی شادی کی تو اس لڑکی سے کروں گا جس میں لیلیٰ خالد کی تمام خصوصیات ہوں۔ وطن کے لئے جان قربان کر دینے کا جذبہ۔ وطن کی ناموس پر مر مٹنے کی تڑپ اور آزادیٔ وطن کے لئے جامِ شہادت نوش کرنے کی لگن ایسی خصوصیات ہیں جنہوں نے مجھے لیلیٰ کے اتنا قریب کر دیا کہ اس عظیم مجاہدہ کو آج بھی اپنا ایک حصہ ہی سمجھتا ہوں۔" ——— (طارق عزیز)

مزدوروں کے سروں پر جیلوں کا پہاڑ ابھی تک موجود ہے



ظہیر اختر بیدری

۱۸ دسمبر ۱۹۷۰ء کو صوبائی انتخابات کی تکمیل کے بعد صدر آغا محمد یحییٰ خاں نے سیاسی سرگرمیوں کے سلسلے میں مارشل لاء کے تحت زیر حراست اور سزاء پانے والے تمام افراد کو رہا کرنے کا حکم دیتے ہوئے اس اقدام کی یوں وضاحت کی تھی کہ "ان گرفتاریوں کا مقصد صرف انتخابات کے پُرامن انعقاد کو یقینی بنانا تھا۔ اب چونکہ انتخابات پرامن طور پر مکمل ہو چکے ہیں لہٰذا گرفتار شدگان کو جیلوں میں رکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہی۔"

صدر کے اس واضح اعلان سے عام لوگوں خصوصاً مزدور طبقہ کو بے حد یقین ہو گیا تھا کہ وہ تمام مزدور کارکن اور مزدور رہنما جو طویل عرصے سے قید و بند کی صعوبتیں جھیل رہے ہیں رہا کر دیئے جائیں گے۔ لیکن انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑھ رہا ہے کہ اس اعلان کو دو ہفتے کے قریب ہو رہے ہیں۔ مگر اب تک کسی مزدور کارکن کو رہا نہیں کیا گیا۔! اس صورتحال سے جہاں مزدور طبقے میں بے چینی بڑھتی جا رہی ہے وہاں یہ احساس بھی پیدا ہو رہا ہے کہ ان کے ساتھ خصوصی برتاؤ کیا جا رہا ہے۔!

موجودہ حکومت ایک عبوری حکومت ہے۔ پاکستان کے سیاسی حالات کے پیش نظر انتخابات کے پُرامن انعقاد کے لئے اگر حکومت نے احتیاطی تدابیر کے طور پر اسی قسم کے سخت اقدامات کئے تھے تو انتخابات کی تکمیل کے بعد یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اب تمام گرفتار شدہ مزدوروں، طالب علموں اور سیاسی کارکنوں کو بلا تاخیر رہا کر دیا جائے۔ عام طور پر حکومت کے اقدامات مقامی انتظامیہ کی رپورٹوں کی روشنی میں ہوتے ہیں اس لئے صدر اور گورنروں کے لئے یہ قطعی ناممکن ہے کہ وہ خود ہر علاقے کی مقامی صورت حال اور گرفتاریوں وغیرہ کا خود جائزہ لیں۔ لہٰذا لامحالہ مقامی حکام کی رپورٹوں اور مشوروں کے سامنے رکھ کر حکومت کو کوئی فیصلہ کرنا پڑتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ حکومت رہائیوں کا اعلان کر دے اور مقامی انتظامیہ کو اپنے علاقے میں حالات کے مطابق ان احکامات پر عمل درآمد کی اجازت دیدے۔ اس مرحلہ پر ہمیں انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے۔ کہ ایوبی عہد اور مارشل لاء کے نفاذ کے بعد تقریباً ملک کے ہر علاقے کی مقامی انتظامیہ نے مزدوروں کے ساتھ جو سلوک کیا ہے۔ وہ منصفانہ تو درکنار غیر جانبدارانہ کی تعریف میں بھی نہیں آتا۔ خصوصاً اکتوبر ۶۹ء کے بعد سارے پاکستان میں مزدوروں پر مقامی انتظامیہ نے صنعت کاروں سے مل کر جو مظالم ڈھائے ہیں اس کی مثال پاکستان کی ۲۳ سالہ تاریخ میں نہیں ملتی۔ ان حقائق کی روشنی میں مقامی انتظامیہ کے مشورے غیر جانبدارانہ ہونا مشکل ہے۔

ولیکا ٹیکسٹائل ملز، ایم، ایل، سی، داؤد کاٹن ملز، سکیورٹی پریس، بیکو، بیکچر، اللہ دسایا ملز اور دوسرے بے شمار اداروں میں جب مزدوروں نے اپنے مطالبات منوانے کے لئے ہڑتالیں کیں تو مقامی انتظامیہ نے صنعت کاروں سے مل کر ان ہڑتالوں کو ناکام بنانے کے لئے سرکاری انتظامیہ کے بجائے مالکان کی انتظامیہ کا رول ادا کیا۔ مزدوروں کی پرامن ہڑتالوں کو ناکام بنانے کے لئے مزدور رہنماؤں کے خلاف جھوٹے مقدمات بنائے اور انہیں لمبی لمبی سزائیں دلوائیں۔ حتیٰ کہ مزدور رہنماؤں کو پکڑ کر مالکان کے سامنے زدوکوب کیا گیا اور ان کی بے عزتی کی گئی۔ پکڑ دھکڑ کی دہشت سے بہت سارے ایسے مزدور جو اپنے خاندان کے واحد کفیل تھے روپوش ہونے پر مجبور ہو گئے جس کی وجہ ان کے خاندانوں کو نہ صرف دہشت بلکہ فاقہ کشی کا شکار ہونا پڑا۔ داؤد مل کے ایک ضعیف ٹریڈ یونین کارکن چاچا ستار کی موت جن کے وارنٹ نکلے ہوئے تھے اسی دہشت کے دوران واقع ہوئی۔ اور اب بھی وہ سارے مزدور خاندان جن کے سرپرست جیلوں میں ہیں یا انتقامی کارروائیوں کے نتیجے میں بے روزگار کر دیئے گئے ہیں فاقہ کشی کا شکار ہیں۔!

موجودہ حکومت نے اقتدار سنبھالتے ہی مزدور طبقے کے مسائل حل کرنے کا اعلان کیا تھا لیکن مزدوروں کے مسائل حل کرنا تو درکنار مقامی انتظامیہ اور محکمہ لیبر کے ناخداؤں نے مزدور تحریک کو اس بُری طرح کچلنے کی کوشش کی اس کی مثال نہیں ملتی۔ ہم بیسویں صدی کی ساتویں دہائی میں زندہ ہیں لیکن مزدور طبقے کی بدحالی اور ان پہ مظالم کو دیکھ کر یوں لگتا ہے کہ ہمارے ملک میں ابھی پتھر کا زمانہ جاری ہے۔ امن و امان کے نام پر انتظامیہ کے نچلے درجے کے

باقی صفحہ ۴۱ پر

ترکی بہ ترکی





اِسلام اور عوام کے ترجمان داغِ مفارقت دے گئے

درویش

دل متواتر صدموں سے نڈھال ہے۔
آنکھوں کا رو تے روتے بُرا حال ہے۔
خبر نہیں کس موڈ میں ربِّ ذوالجلال ہے

یہی صدمہ ابھی برداشت نہ ہوا تھا کہ مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب الرحمان جیسا "غدار" ۔ اور ادھر مغربی پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو جیسا "سوشلسٹ" اکثریت کے ساتھ کامیاب ہو گئے۔ دوسرا صدمہ یہ آپڑا کہ اسلام کے شیر، پاکستان کے مردِ مومن۔ نواب زادہ شیر علی مستعفی ہو گئے۔ اب اسلام کا کیا ہوگا۔ عوام کا کیا بنے گا دارے لعنت بھیجئے عوام پر۔ عوام تو بے شعور ہیں۔ ہاں یہ ۷ دسمبر، ۱۹۷۰ء سے پہلے باشعور تھے۔ اسلام پسند تھے۔ لیکن انہیں پولنگ اسٹیشنوں پر جاکر جانے کیا ہوگیا، اسلام اور قوم دونوں کو بھول گئے) قوم کا کیا ہوگا۔ اس دور میں ایک نواب زادہ شیر علی ہی تو اسلام اور عوام کی حفاظت کے لیے آئے تھے۔ انہیں قوم نے مایوس کر دیا۔ وہ مستعفی ہونے پر مجبور کر دیئے گئے۔ جب قوم بات نہ مانے دقوم تو پہلے سے ہی انکار کر رہی تھی) اور جب حکومت بھی بات ماننی چھوڑ دے تو ایسی حکومت میں رہنے کا کیا فائدہ۔ انہوں نے تو اسلام کی بقاء کی خاطر یہ عرض کیا تھا کہ یہ انتخابات درست فیصلہ نہیں ہیں، اس لئے انہیں کالعدم قرار دیا جائے۔ انہوں نے اسلام کے دوسرے شیر سے اچھرے کی کچھار سے ایک تار بھی حکومت کو بھجوا دیا جس میں لکھا تھا کہ انتخابات میں بدعنوانیاں ہوئی ہیں۔ لیکن حکومت تو شاید فوراً مجیب اور بھٹو کے ساتھ ہو گئی کہ نہ شیر علی کا تیر چلا اور نہ شیرِ اچھرہ کا تار۔ صدر یحییٰ نے مجیب اور بھٹو کو مبارکباد کا پیغام بھیج کر ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ شیر علی اپنی کچھار میں کروٹیں بدلتے رہ گئے۔ اسی عرصے میں معظم علی "شرم نہ آئی نیم" نے شیر علی سے فون پر کہا "حضور! یہ ذوالفقار علی بھٹو بار بار مجھے دھمکیاں دے رہے ہیں۔ کچھ کیجئے۔ ورنہ میری پی، پی، آئی۔ پی پی پی سے خطرے میں ہے۔"

شیر علی نے جواب دیا "اب پانی سر سے گزر چکا۔ نہ پی پی آئی کی جھوٹی خبروں کے وار کام آئے نہ جماعت اسلامی کے پمفلٹ اور ڈالر۔ اب تو بھٹو آ گیا۔ اور میں تو استعفیٰ دے چکا ہوں۔" "ہیں۔ یہ کیا ہوا۔ شیر علی صاحب"۔ معظم علی کی آواز کپکپائی۔ "تو آپ نے واقعی استعفیٰ دے دیا۔ نہیں نہیں صدر صاحب یہ استعفیٰ قبول نہیں کریں گے۔ انہیں آپ کی ضرورت ہے۔"

"یہ استعفیٰ قبول ہو جائے گا۔"

"کیوں۔"

کیونکہ یہ دیا نہیں دلوایا گیا ہے۔" اس کے بعد فون بند ہو گیا۔ اور پی، پی، آئی نے EXCLUSIVE خبر کریڈٹ کر دی۔ نواب زادہ شیر علی مستعفی ہو گئے۔ لوگ حیران تھے کہ نواب زادہ شیر علی کے استعفیٰ کی خبر۔ پی پی آئی نے جاری کی۔ کیسے اور کیوں۔ اب لوگوں کو کیا معلوم کہ پی، پی، آئی نے سوچا کہ اور کچھ نہیں، ایک EXCLUSIVE خبر دینے کا فخر تو حاصل کر لیا جائے

نواب زادہ شیر علی صاحب کے بعد اسلام اور عوام کا ایک اور ترجمان بھی سدھار گیا۔ ملتان سے جب روزنامہ "جسارت" شروع کیا گیا تو اشتہار میں اس کے بارے میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ یہ "اسلام اور عوام کا ترجمان" ہو گا۔ اب کیا ملتان میں "اسلام اور عوام" کی ترجمانی کی ضرورت نہیں رہی۔ اس کا تو جواب الطاف حسن قریشی دیں یا "نیشنل یونین آف جرنلسٹس"۔ نواب زادہ شیر علی کے جانے سے تو سوائے ان کے اور کسی کے روزگار پر اثر نہیں پڑا۔ لیکن "اسلام اور عوام کے ترجمان" جسارت ملتان کے بند ہونے سے بہت سے لوگ بے روزگار ہوئے۔ اسلام اور عوام بھی بے ترجمان ہو گئے۔ پہلے

تو جماعت اسلامی صرف سرخ صحافیوں کو بے روزگار کرواتی تھی۔ اب بے چارے اسلام پسند اس کی زد میں آنے لگے۔ خدا خیر کرے۔ بے چارے الطاف قریشی بھی کیا کریں۔ ملتان جسارت کا افتتاح کرنے والے پردہی صاحب الیکشن کی عبرتناک شکست کے زخم سینے پر لئے بستر پر دراز ہیں، وزیر اطلاعات ونشریات داغ مفارقت دے گئے۔ جماعت اسلامی اپنے ناکام امیدواروں کو مفلوں میں چھپائے رو رہی ہے سرمایہ داروں نے سر سے ہاتھ اٹھا لیے۔ اشتہارات نے منہ پھیر لیا۔ قارئین تو پہلے سے ہی ساتھ نہ تھے۔ اس عالم بے بسی میں مرتا کیا نہ کرتا۔ انکشاف یہ ہوا کہ جسارت ملتان اور کراچی کی انتظامیہ الگ الگ تھی۔ کچھ دنوں بعد یہ بھی معلوم ہو گا کہ اردو ڈائجسٹ اور زندگی لاہور کی انتظامیہ بھی الگ الگ ہے۔ ہمت ہے ڈاکٹر اعجاز حسن قریشی اور الطاف حسن قریشی کی کہ چار انتظامیوں کے ملازم ہیں۔ اردو ڈائجسٹ، زندگی، جسارت ملتان، جسارت کراچی۔ انتظامیہ تو ایک جگہ کی بھی مشکل سے برداشت ہوتی ہے۔ بے چارے چار چار برداشت کرتے رہے۔

کس کس کا ماتم کریں۔ زمانے نے فرصت ہی نہیں دی۔ کیا کیا ستارے تھے جو خاک میں لٹ گئے۔

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تو نے وہ گنج ہائے گرانمایہ کیا کئے۔

شیر علی، مودودی، میاں طفیل، اے کے سومار، ایس اے رحمان، معظم علی، نواب زادہ نصراللہ اور بے چارے اصغر خاں، کیا کیا صورتیں تھیں جو خاک میں پنہاں ہوگئیں، شورش کاشمیری، مجید نظامی، پیر علی محمد راشدی تو کسی قطار شمار میں ہی نہیں۔ خیر نہیں اللہ نے مدد سے ہاتھ اٹھا لیا۔ ۷ دسمبر کی رات کو عوام سے یکایک سیاسی شعور چھین لیا۔ شورش صاحب کا کہنا ہے کہ قدرت نے ۶ اور ۷ دسمبر کی درمیانی رات کو پاکستان اور خاص طور پر پنجاب والوں سے سیاسی شعور چھین لیا۔ اور صبح جب وہ پولنگ اسٹیشنوں پر پہنچے تو انہیں تلوار کے سوا کچھ نظر ہی نہ آیا۔

اب قدرت نے مغربی پاکستان کے تمام اسلام پسندوں کو سیاسی بصیرت عطا کی ہے۔ انہیں حال ہی میں یہ وجدان ہوا ہے کہ اس ملک کا حقیقی لیڈر مجیب الرحمان ہے وہی انہیں بھٹو کی تلوار سے بچا سکتا ہے۔ "فکس اپ" سے خوفزدہ، مشرق، جنگ، جسارت، پی پی آئی، کوہستان کے استحصال پسند اور اسلام فروش صحافیوں نے مجیب الرحمان کو غیر مشروط طور پر اپنا لیڈر تسلیم کر لیا ہے۔ اور ان کا دعویٰ ہے کہ مجیب الرحمان بھٹو کے بغیر اپنا آئین بنا لیں گے۔ اب تمام صوبوں کے مفادات اور وحدت پاکستان کی بجائے۔ چھ نکات اور بنگال ازم۔ پاکستان کی سالمیت کے ضامن بن گئے ہیں۔ بھٹو کے ایک نکتے سے ڈر کر جماعت اسلامی، پی، ڈی، پی۔ کونسل لیگ، کنونشن لیگ، نیپ ولی۔ چھ نکات میں پناہ ڈھونڈ رہی ہیں۔ اس طرح انہیں الگ الگ ایک ایک نکتہ مل جائے گا۔ اور باقی ماندہ زندگی آرام سے گزر جائے گی۔

اس الیکشن میں سب سے زیادہ ہمت، برداشت، حوصلے اور اخراجات کا ثبوت صرف جماعت اسلامی نے دیا ہے۔ اس جماعت نے

- سب صوبوں سے امیدوار کھڑے کرنے
- سب صوبوں میں یکساں طور پر شکست کھانے
- سب سے زیادہ صوبوں میں سے جیتنے کا ریکارڈ

قائم کیا ہے۔ کسی اور سیاسی پارٹی کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ مشرقی پاکستان، پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان میں شکست کھائی ہو۔ پیپلز پارٹی نے مشرقی پاکستان میں شکست نہیں کھائی، عوامی لیگ نے پنجاب میں شکست نہیں کھائی۔ یہی حال باقی جماعتوں کا بھی ہے۔ جماعت نے صوبائی اسمبلی میں چار صوبوں یعنی مشرقی پاکستان، پنجاب، سندھ، سرحد میں ایک ایک سیٹ حاصل کی ہے۔ کسی اور جماعت کو اتنی نمائندگی نصیب نہیں ہوئی۔ عوامی لیگ کے نمائندے صرف ایک صوبے مشرقی پاکستان میں ہیں۔ باقی چار صوبوں میں نہیں۔ اور پیپلز پارٹی کو صرف تین صوبوں پنجاب سندھ، سرحد میں نمائندگی ملی۔ اب اس نمائندگی کے باوجود یہ بھی اس کی فراخدلی ہے کہ وہ پھر بھی صرف ایک صوبے سے جیتنے والے مجیب الرحمان کو اپنا لیڈر تسلیم کر رہی ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے۔ اس زمانے میں ایسے فراخدل لوگ کہاں ملتے ہیں۔

گرفتار شدہ مزدوروں کو فوری طور پر رہا کیا جائے

صفحہ ۳۸ سے آگے

افسروں نے ہر صنعتی علاقے میں مزدوروں کے ساتھ جو کچھ کیا ہے اس سے طبقاتی منافرت میں اتنی شدت آگئی ہے کہ ذرا سا موقع مل جائے تو نفرت کا یہ لاوا دور ایوبی کے آخری دنوں سے زیادہ شدت سے بہہ نکلے گا اور پھر ایسی صورتحال پیدا ہو جائے گی جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔!

پاکستان ہی نہیں اب دنیا کے ہر ملک میں مزدور کسان اور نچلے طبقے کے تمام محنت کش اپنے حقوق حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ دنیا کے موجودہ سیاسی حالات کا تقاضا یہ ہے کہ ان طبقوں کی طاقت کو ایک سیاسی مؤثر طاقت کے طور پر تسلیم کرکے ان کے مسائل کو حل کرنے کی ایماندارانہ کوشش کی جائے۔ اسی میں قوم و ملک اور خود استحصالی طبقوں کی بھلائی ہے اگر ان طبقوں کو دبانے کے لئے وہی طاقت کے فرسودہ طریقوں کا استعمال جاری رہا تو اس کے نتائج بڑے سنگین نکلیں گے۔

مزدوروں کے سلسلے میں ایک رجحان یہ ہے کہ مزدور جب بھی ہڑتال کرتے ہیں تو انہیں ہڑتال کے الزام میں پکڑنے کے بجائے غنڈہ گردی، مارپیٹ اور دوسرے تخریبی الزامات کے تحت دھر لیا جاتا ہے اور انہیں الزامات کے تحت سزا دلوا کر اس قابل اقدام اور باعزت طبقے کے مظلوم افراد کو غنڈہ قرار دیا جاتا ہے۔ اگر عوام کا اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کرنا غنڈہ گردی ہے تو پھر ملک کے تمام سیاسی رہنما سب سے بڑے غنڈے کہلانے چاہئیں اور سیاسی جماعتوں کو غنڈوں کے اکھاڑوں سے تشبیہہ دینا پڑیگی۔ اس لئے کہ ہر سیاسی جماعت اور سیاسی رہنما عوام کے حقوق دلانے کے دعویدار ہیں۔ اگر سیاسی پارٹیوں کے رہنما اور کارکن عوام کے حقوق کی جدوجہد میں گرفتار ہو کر سیاسی رہنما اور سیاسی کارکن ہونے کا اعزاز حاصل کرتے ہیں تو بیچارے عوام کا جن میں مزدور بھی شامل ہیں۔ اپنے حقوق کی جدوجہد میں گرفتار ہو کر غنڈہ کہلانا سرمایہ دارانہ نظام کی سڑی ہوئی ذہنیت کا تو اظہار ہو سکتا ہے لیکن انسانیت اور حقوق انسانی کی رو سے ان مظلوموں کے لئے یہ ٹائیٹل کسی طرح فٹ نہیں بیٹھتا۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے ملک میں پروان چڑھنے والے اس شرمناک رجحان کو بدلا جائے اس لئے کہ مزدوروں کے سلسلے میں اس قسم کا رجحان رکھنے والے عنصر کی عیش و عشرت سے پُر زندگی کا دارومدار انہیں قابل اقدام مزدوروں کی محنت پر ہے!۔

موجودہ عبوری حکومتوں نے بار بار اعلان کیا ہے کہ وہ ملک میں ایک صحت مند ٹریڈ یونین تحریک کے فروغ کی خواہشمند ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ملک میں ایک صحت مند ٹریڈ یونین تحریک کو ٹریڈ یونین میں حصہ لینے والوں کو بے روزگار کرکے انہیں طرح طرح سے پریشان کرکے، پاکٹ یونینوں کی سرپرستی کرکے، اپنے مطالبات کے لئے ہڑتال کرنے والوں کو جیلوں میں بند کرکے اور باعزت مزدور رہنماؤں کو کوڑوں تک کی سزا دے کر —— ٹریڈ یونین تحریک کو فروغ دیا جا سکتا ہے؟

ملک میں پہلے عام انتخابات مکمل ہو چکے ہیں۔ چار چھ مہینے کے اندر اندر اقتدار منتخب نمائندوں کے ہاتھوں میں آجائے گا۔ موجودہ حکومت خصوصاً صدر یحییٰ خان کو ان کے اس اقدام کی وجہ سے ایک منفرد مقام حاصل ہونے والا ہے۔ اس عبوری دور میں اگر انہوں نے پچھلے دو سال میں مزدوروں پر ہونے والی زیادتیوں کے ازالہ کے طور پر اگر مزدوروں کی بھلائی کے لئے بھی کچھ ٹھوس اقدامات تو یقیناً ان کی "نیک نامی" میں اضافہ ہو گا۔ مزدوروں اور ملک کے دوسرے مظلوم طبقوں کے بارے میں مستقل اور بنیادی اقدامات تو آنے والی حکومتیں ہی کریں گی۔ لیکن صدر یحییٰ خان اپنے دور میں اپنے اختیارات سے تمام گرفتار شدہ مزدوروں اور مزدور رہنماؤں کو بلاتاخیر رہا کرکے یہ اعلان ضرور کر سکتے ہیں کہ ٹریڈ یونین تحریک سے منسلک تمام مزدور کارکنوں کو آئندہ سے سیاسی کارکن اور مزدور رہنماؤں کو سیاسی لیڈروں کی حیثیت سے تسلیم کیا جائے گا۔



بقیہ: سرورق کی کہانی

رہی ہے۔ انہوں نے کہا طالب علموں اور مزدوروں کو بھی رہا نہیں کیا گیا ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ انہیں رہا کیا جائے۔ انہوں نے کہا کہ عوام نے اپنا فیصلہ دے دیا ہے کہ سوشلزم آ کے ہی آوے لیکن سوشلزم کے نفاذ میں اگر تاخیر کی گئی تو عوام کا سیلاب اپنی راہ میں آنے والوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جائے گا۔ مزدور رہنما نے اپنی تقریر میں مزید کہا کہ مزدوروں اور کسانوں نے سوشلزم کے نام پر بڑے بڑے بت گرائے ہیں —— اب وہ یہ پیغام دیتے ہیں کہ مزدور کسان راج قائم کرو۔ اور اگر کوئی سامراجی قوت تم سے ٹکرانے کی کوشش کرے گی تو عوام اس میں تمہارا ساتھ دیں گے۔ ان کا شعور اب بیدار ہو چکا ہے وہ سامراجی ایجنٹوں کو بھگانے اور سرمایہ داروں کو دفن کرنے میں بھی ساتھ دیں گے۔

این ایس ایف راولپنڈی کے رہنما جمیع عمر نے کہا کہ پیپلز پارٹی نے یہ ثابت کیا ہے کہ قوت کا سرچشمہ عوام ہیں۔ لیکن برسر اقتدار آنے والے یاد رکھیں کہ عوام کے مطالبات پورے نہ ہوتے اور مزدور کسانوں کو نظرانداز کیا گیا تو غریب عوام کے ہاتھ ان کے گریبانوں تک بھی پہنچ جائیں گے

ڈاکٹر شمیم زین الدین نے رہا ہونے والے سیاسی قیدیوں کے نام اپنے تاریخی خطبۂ استقبالیہ میں کہا کہ سرمایہ داروں اور جاگیرداروں سے ہم کھیت کھیت اور کارخانے کارخانے لڑیں گے۔ ہماری پارٹی منشور کا نام ہے۔ مساوات پر عملدرآمد کرانے کا نام ہے جو بھی آئے گا اسے معلوم ہے کہ ہمارا پروگرام کیا ہے۔ ہم کوئی غداری برداشت نہیں کریں گے۔ غداروں کو پابہ زنجیر پھرایا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ اب وقت آگیا ہے جب کہ سرمایہ داروں کو نوشتۂ دیوار پڑھ لینا چاہیئے۔ ہم ایک طبقاتی اتحاد قائم کر چکے ہیں۔ اب ہم محنت کی عظمت تسلیم کرا کر رہیں گے۔

بقیہ: معراج محمد خان

ہمارا دستور سامراج دشمنی اور وطن دوستی، سرمایہ دارانہ و جاگیردارانہ نظام کی مخالفت اور محنت کش عوام کی حمایت پر قائم ہوگا صرف اور صرف ایک ایسا عوامی دستور ہی پاکستان اور پاکستانی عوام کا تحفظ کر سکتا اور عوام الناس کی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے ہم ایسے دستور کبھی تسلیم نہیں کریں گے جس کی بنیاد اقتصادی لوٹ کھسوٹ اور سرمایہ دارانہ نظام پر رکھی گئی ہو ــــ

دیپ جس کا محلات ہی میں جلے!
چند لوگوں کی خوشیوں کو لے کر چلے
وہ جو سائے میں ہر مصلحت کے پلے
ایسے دستور کو صبحِ بے نور کو
میں نہیں جانتا میں نہیں جانتا

میرے بھائیو! ـــ آج چاروں طرف سے پاکستان پیپلز پارٹی کے خلاف طبلِ جنگ بج رہے ہیں۔ اب تو طفلِ سیاست بھی ذوالفقار علی بھٹو کو چیلنج کرنے پر اتر آئے ہیں ہم ان نو واردِ دانِ سیاست کے علم، سیاسی تجربہ و سیاسی شعور کی پختگی سے واقف ہیں ـــ کون ہیں یہ ہوائی شہزادگان کون ہیں ہوائی مارشل ـــ؟ ان میں سے ایک تو اتنی جلدی پارٹیاں بناتا اور بدلتا ہے جتنی جلدی پاکستان کے عوام اپنے کپڑے نہیں بدلتے۔ ایک وقت تھا کہ ان میں سے ایک ہوا کا شہزادہ ذوالفقار علی بھٹو کی عوامی مقبولیت کے سہارے میدانِ سیاست میں وارد ہوا تھا اب یہی شہزادہ ذوالفقار علی بھٹو کا سیاسی حریف کہلانے میں بڑا فخر محسوس کرتا ہے اور بھٹو کو راولپنڈی سے اپنے مقابلہ پر الیکشن لڑنے کا چیلنج دیا کرتا ہے ـــ خاں صاحب! زیادہ اونچا اڑنے کی کوشش نہ کرو ـــ میرے ہوائی شہزادے تمہارے لئے تو ہمارے مجاہد خورشید حسن میر ہی کافی ہیں ذرا خیال کرنا کہیں ضمانت ہی ضبط نہ ہو جائے ـــ لوگو! ـــ انشاء اللہ ہم ایک ہی حملہ میں ان ہوائی شہزادوں کے ہوائی قلعوں کو مسمار کر دیں گے ـــ یاد رکھو اگر تم ہوا کے مارشل ہو تو ہمارا بھٹو عوام کا عظیم مارشل ہے ـــ بھٹو اور ان کا کیا مقابلہ ـــ اصغر خان اور نور خان کے لئے تو پیپلز پارٹی کا یہ غریب معراج محمد خان ہی کافی ہے۔

(جاری ہے)

بقیہ: احوالِ واقعی

کے بعد صدر کا آئینی ڈھانچے کا حکم بے معنی ہو کر رہ گیا ہے اور اس امر کو جتنی جلدی محسوس کر لیا جائے اتنا ہی قوم و ملک کے لئے بہتر ہوگا۔ اب مارشل لاء کے جاری رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ انتخابات کے بعد اب فوج کو فی الفور اپنی بیرکوں میں واپس جانا چاہیئے۔ اور ایک ذمہ دار حکومت کی سرکردگی میں ملکی دفاع کے فرض پر جو اس کا اصل فرض ہے اپنی توجہ مرکوز کرنی چاہیئے۔ عام انتخابات میں عوامی نمائندوں کے چناؤ اور قومی اسمبلی کے وجود میں آجانے کے بعد مارشل لا اور صدر کے آئینی ڈھانچے کے حکم کی موجودگی ایک ایسی دو عملی Duality کی غمازی کرتی ہے جس کا تادیر باقی رہنا ملک کے مفاد کے لئے سنگین خطرات کا باعث بن سکتا ہے۔

یہ بات علیحدہ ہے کہ وہ عوام جنھوں نے عوامی لیگ اور پیپلز پارٹی کی تائید کی ہے کچھ عرصہ کے بعد اپنے تجربہ سے یہ محسوس کریں کہ جن تقاضوں کے لئے انہوں نے ان دو جماعتوں کے حق میں ووٹ دیئے تھے وہ پورے نہ ہوئے اور وہ انتخابات کے ذریعہ سے یا انقلابی جدو جہد کے ذریعہ سے اپنی پسند کی تبدیلیاں یا انقلاب لانے کی کوشش کریں۔ لیکن اس کا حق بھی عوام ہی کو پہونچتا ہے کسی فردِ واحد کو نہیں۔ عوام ہی وہ طاقت ہیں جو لازوال بھی ہے اور جائز اور منصفانہ بھی۔

یہاں یہ کہہ دینا بھی بے جا نہ ہوگا کہ عوام جن کی اکثریت کسانوں اور مزدوروں اور دوسرے محنت کشوں پر مشتمل ہے آئین اور پارلیمان کی باریکیوں سے اتنی دلچسپی نہیں رکھتے جتنی اسی بات سے کہ اس آئین اور پارلیمان کے نتیجہ میں ان کی اپنی زندگی میں کس قدر تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ انہیں کس قدر آزادی اور خوشحالی نصیب ہوتی ہے۔ وہ سرمایہ دار اور جاگیردار کے چنگل سے کس حد تک آزاد ہوتے ہیں۔ قانون اور ریاست کی مشینری ان کے حقوق اور مفادات کا تحفظ کرتی ہے یا استحصالی طبقوں کے استبداد اور ظلم کا۔ ان کی گردن سے غیر ملکی سامراجی استحصال کا طوقِ غلامی اتر گیا ہے یا بدستور موجود ہے۔ یہ ہیں وہ باتیں جن سے عوام کو بنیادی طور پر دلچسپی ہے۔ اور وہ یقیناً یہ دیکھیں گے کہ عوام کے منتخب نمائندے ان کی آرزوؤں اور تمناؤں کو پورا کرتے ہیں یا نہیں۔

بقیہ: حسن ناصر ایک امر کہانی

مشعلوں کو لے کر لوگ بازاروں میں نکل آتے ہیں ـــ اب یہاں کوئی آمر نہیں رہے گا۔ اب کسی ظالم کو ظلم کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

اگر یہاں ایسا ہوا تو ایسے مقتول کے مدعی ایک نہیں دو نہیں کروڑوں عوام ہیں۔ جن کے پاس نوحہ کناں دل ہی نہیں۔ ظالم کا تخت الٹنے کے لئے دو دو ہاتھ دو دو آنکھیں اور ایک ایک لہو رنگا دل ہے۔ دل جو سمندر سے زیادہ گہرا اور چٹان سے زیادہ مضبوط اور پہاڑوں سے زیادہ بلند ہے۔ دل جو دنیا کی سب تحریکوں کا منبع ہے۔ دل جو مان جائے تو نشاط و نغمہ مچل جائے تو قوسِ قزح اور بغاوت پہ اتر آئے تو حسن ناصر!

اس ملک کے نثار احمد قریشو۔ آؤ اس قافلے میں۔ جو منزل پہ پہنچا تو تمہیں خودکشی کی ضرورت نہ رہے گی ..... اور اگر راستے میں قتل گاہیں سج گئیں تو لاکھوں مدعی ..... خود ایک قافلہ بنا کر تمہارے قاتلوں سے حساب مانگیں گے۔

"قاتلو حساب دو!"

ورنہ ....

یہ ہماری تمہاری کھلی جنگ ہے۔

قارئین کرام مبارک ہو کہ



عنقریب روزانہ شائع ہوگا

ہم نے اس سلسلے میں عوامی رہنماؤں، کارکنوں اور عوام دوست حضرات سے اپیل کی ہے کہ وہ مختلف مالیتوں کے حصص خرید کر اس عوامی جدوجہد میں حصّہ دار بنیں ——

سب سے پہلا شیئر

پاکستان پیپلز پارٹی کے چیئرمین
ذوالفقار علی بھٹو نے

اور دوسرا شیئر

پاکستان پیپلز پارٹی سندھ زون کے چیئرمین
میر رسول بخش تالپور نے خرید کر

ہمارے حوصلے بلند کئے ہیں

تمام عوام دوست طاقتوں سے تعاون کی توقع ہے

جنرل مینیجر: —— ہفت روزہ "الفتح" ۸۰ ڈی، نرسری، کمرشل ایریا۔ کراچی

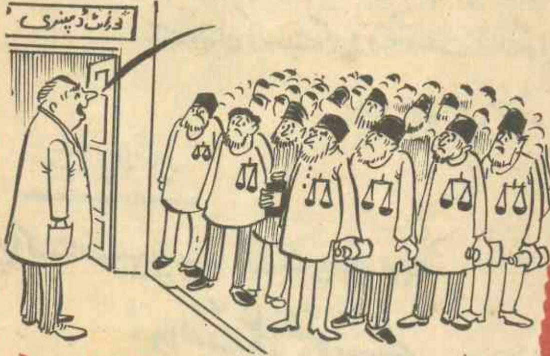
Regd No : S - 2772
Weekly "Al - Fatah" Karachi
31. DEC. 70 — 7 JAN. 1971



حضور! کیا حکم ہے، جشنِ فتح کے جواب میں
"یوم ماتم" شایانِ شان منایا جائے !!



انتخابات سے پہلے



صبر کیجئے، ایمرجنسی میں معدے کے
ماہرین کی تعداد میں اضافہ کیا جا رہا ہے۔

اور انتخابات کے بعد



